عہدِ نبوی میں سماجی عدل وانصاف

Social Justice in Prophet's Regime

محمد یٰسین مظہر صدیقی*

The Holy Book of Allah encompasses all basic concepts and theories of social justice and welfare of society while the life and sayings of the Holy Prophet (SAW) explain it theoretically as well as practically. Islam provides a complete code of justice and system of welfare whereas other religions and social systems cannot be considered equal to it. This reality has also been acknowledged at international level. The last Prophet (SAW) of Allah exercised and implemented social justice and welfare of society for the betterment of an individual and masses. It was an exemplary system which is unique, matchless and also everlasting till the Day of Judgment. It is obligatory for Muslim-Ummah to follow it for eternal salvation and collective good. The researcher has critically and analytically thrown full light upon this topic for general understanding and collective prosperity.

خاتم النبیین وسید المرسلین ﷺ کے عہد مبارک میں عظیم ترین برکات اور انسانیت پرور عطیات میں سے غالباً سب سے نمایاں عدل معاشرتی کا قیام ہے۔ عدل وانصاف اصل میں اسلام کا سرمایۂ حیات ہے اور رسول اکرم حضرت محمد رسول اللہ ﷺ اس کے سب سے بڑے علمبردار۔ آپ امام العادلین بلکہ امامان عدل وانصاف کے سید وسردار ہیں بالکل اسی طرح جیسے آپ تمام انبیائے کرام کے سردار ہیں۔ بحیثیت خاتم النبیین آپ میں تمام کمالاتِ انبیاء اور برکاتِ مرسلین جمع ہی نہیں بلکہ کمال معراج کو پہونچ گئی تھیں اور ختمِ نبوت کے بعد تسلسلِ رسالت محمدی سے تاقیامت معاشرتی عدل وانصاف کا آدرش کامل ترین روپ سروپ میں جاری وساری اور قائم ودائم بھی رہنا ہے۔ آپ نے نظریاتی اور عملی دونوں لحاظ سے سماجی عدل وانصاف کے اصول وضوابط اور اطلاق وعمل ثبت کردیے۔[1]

---

* سابق صدر وڈائریکٹر ادارہ علوم اسلامیہ / شاہ ولی اللہ دہلوی ریسرچ سیل، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ۔انڈیا۔

۱۔ نظریات عدل سماجی کا سب سے واضح اور مدلل بیان مکی ومدنی آیات قرآنی میں آیا ہے اور ان پر بحث آگے آتی ہے۔ مکی ومدنی آیات کریمہ کی زمانی تفریق خاص مقاصد سے کی گئی ہے۔ دوسرا ماخذِ نظریات اسلامی، رسول اکرم ﷺ کی مکی ومدنی

بیانِ اصول عدل وانصاف کا سرچشمہ خاتم النبیین ﷺ پر منزل، آخری اور جامع ترین صحیفہ الٰہی ہے جو تمام انبیاءِ پیشرو اور ان کی کتب کا جامع ہے۔ تبیین و تشریح اصول قرآنی کے لیے اللہ تعالیٰ نے وحی حدیث کے ذریعہ قلب سید المرسلین ﷺ پر حدیث کی صورت میں تشریحات وتوضیحات وقتاً فوقتاً اتاریں۔ اور قرآنی آیات کی وحی متلو کی مانند آپ نے ان کو خلائق عالم کے لیے معاصر مخاطبین کے سامنے بیان فرمایا۔ یہ دونوں وحی الٰہی اور ارشاد ربانی کی قسمیں توأم ہیں۔[۱] سنت و عمل کے ذریعہ آپ نے دوسرے احکام وہدایات ربانی کی طرح عدل وانصاف کے نظریات ومبادیات کو بشری حیثیت سے برت کر دکھادیا۔ نظریہ واطلاق کا یہ عظیم ترین آدرش خاتم النبیین ﷺ کا مثالی، بابرکت، روح وجاں پرور، جسم وبدن ساز یعنی ظاہر وباطن کی صحت وطہارت کا ضامن ہے۔[۲] قرآنی آیات وہدایات کے مطابق آپ نے بعثت ورسالت کے بعد شعوری طور سے ملت ابراہیمی کی پیروی اور تنفیذ کی جاں کاہ اور دل سوز کاوشیں کیں۔ نبوت سے قبل چالیس سال کے عرصہ طیبہ اور حیات پاکیزہ ومبارکہ میں دین ابراہیمی اور

احادیث شریفہ ہیں جو مکی عہد نبوی سے مدنی دور شریعت و قانون ریاست تک بتدریج ورود پاتی ہیں۔ ان میں بحث طول کلام کا موجب ہوتی لہٰذا چند احادیث نبوی سے اس کو مدلل کیا گیا ہے۔ حواشی وتعلیقات میں ان کا ایک نسبتاً مفصل تذکرہ آتا رہے گا۔ سماجی انصاف کا عمل سنت مطہرہ اور سیرت نبوی کے آئینہ میں نظر آتا ہے اور قرآن وحدیث سے ان کا ایک ارتباط اس نقطہ نظر سے لایا گیا ہے کہ رسول اکرم ﷺ اور آپ کی خیر امت نے کس طرح اور کس جاں فشانی اور کس اخلاص سے نظریات کو اعمال میں تبدیل کیا اور ان کے نتیجے میں پورا عہد نبوی دورِ معدلت گستری بن گیا

۱۔ قرآن وحدیث یا کتاب وسنت میں بالعموم اول ودوم کی درجہ بندی کی جاتی ہے جو صحیح نہیں ہے۔ دونوں وحی الٰہی پر مبنی ہونے کے سبب اور دین وشریعت کے ماخذ اصلی ہونے کی وجہ سے توأم (جڑواں / twin) ہیں اور ان دونوں کے ایک ساتھ ارتباط کے بغیر نہ تو ایمان مکمل ہو سکتا ہے اور نہ ہی ان پر بیک وقت عمل کے بنا، اسلام کامل ہو سکتا ہے۔ اس بحث کے لیے ملاحظہ ہوں کتب خاکسار، بالخصوص: وحی حدیث، اسلام بک فاؤنڈیشن، نئی دہلی ۲۰۰۰ء، کتاب سرائے لاہور ۲۰۰۰ء۔

۲۔ عدل معاشرتی یا انصاف سماجی کا مفہوم بہت وسیع ہے۔ دوسرے نظام ہائے فکر میں اگرچہ اس کی حدود کار میں صرف انسانی معاشرہ آتا ہو، مگر اسلامی فکر وعمل میں پوری اسلامی زندگی اس کے دائرہ کار میں آتی ہے، جس کا ایک سرا روح کے واسطہ سے ملکوت سے اور دوسرا بدن کے وسیلے سے ناسوت سے وابستہ ہے۔ حقوق اللہ وحقوق العباد میں تال میل اور عدل واعتدال بھی اسلامی سماجی انصاف کا ایک دائرہ کار ہے اور سماجی انسانی معاشرت میں دین وشریعت کے امور بھی آتے ہیں اور دنیاوی ارتباط اور رشتوں کے معاملات بھی اور آخر میں خالص انسانی معاشرت کا دائرہ سیاسی، فوجی، انتظامی، مالی، اقتصادی اور تہذیبی غرضیکہ تمام دائرہ ہائے حیات کو محیط ہے۔

ملت حنیفی کی باقیات، صالحات میں پیوست عدل وانصاف کے اصول و نظریات اور ان پر صالح نفوس و شخصیات کے عمل وانضباط سے یہ توفیق الٰہی کسب فیض کیا جو شعوری بھی تھا اور فطری بھی کہ وجدانی اور علمی دونوں کا خمیر رکھتا تھا۔[۱] قبل بعثت کی حیات طیبہ عصمت نبوی کی اولین وجدانی والہامی صورت حفاظت کی چھاؤں میں صورت پذیر ہوتی تھی جو آپ کی شان شایان چیزوں کی طرف لے جاتی اور شان والا سے فروتر چیزوں سے محفوظ رکھتی تھی۔ عدل وانصاف الٰہی نے بصورت توفیق ربانی آپ کو بطور پیغمبر آخر الزماں دونوں زمانوں میں مستفیض ومستنیر کیا تھا۔[۲]

اول بحث:

سماجی عدل وانصاف کے الٰہی احکام

عدل الٰہی- سرچشمہ عدل:

ذات الٰہی کی صفات عالیہ میں عدل وقسط کی صفت خاص ہے اور ایک طرح سے ذات ربانی کا خمیر وجوہر۔ آخری کتاب الٰہی کی بہت سی آیات کریمہ میں عدل وقسط الٰہی کا واضح بیان اور پختہ اثبات دونوں جہات نفی واثبات

۱۔ ملت ابراہیمی کی پیروی واتباع کا حکم قرآن مجید کی متعدد آیات کریمہ میں دیا گیا ہے: آل عمران: ۹۵، سورۃ النساء: ۱۲۵، سورۃ الانعام: ۱۶۱، سورۃ النحل: ۱۲۳، سورۃ الحج: ۷۸۔

اس کا یہ مطلب ہر گز نہیں کہ نبوت وشریعت محمدی کسی کی تابع تھی بلکہ اس کا مقصود صرف یہ ہے کہ ملت ابراہیمی اساسی نہادی تھی جس پر تمام ادیان سماوی یا صحیح طور سے خالص دین اسلام استوار ہے۔ وہ سب انبیائے کرام کا دین ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قربانیوں اور کاوشوں سے اسے اپنے عہد میں کامل ترین بنایا۔ اسی وجہ سے حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے رسول آخر الزماں کی بعثت کو سمحہ / حنیفیہ / ابراہیمی واسماعیلی قرار دیا اور مقصد بعثت احیائے ملت ابراہیمی بتایا۔ بحیثیت خاتم النبیین وسید المرسلین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو جامع وکامل ترین بنایا اور ملت ابراہیمی ملت محمدی میں مدغم ہو کر اس کا ایک حصہ بن گئی۔ یہ طویل بحث ہے اور اس کا یہاں موقع نہیں۔ بحث کے لیے ملاحظہ ہو شاہ صاحب موصوف کی کتاب **حجۃ اللہ البالغہ** اور **خاکسار کی تالیف** "مکی عہد نبوی میں اسلامی احکام کا ارتقاء" فرید بکڈپو، نئی دہلی ۲۰۰۹ء۔

۲۔ توفیق الٰہی اور قبل بعثت اس کی کارکردگی کے لیے ملاحظہ ہو کتاب خاکسار: "مکی عہد نبوی میں اسلامی احکام کا ارتقا" اور دیگر کتب سیرت کے علاوہ مقالہ خاکسار "بعثت سے قبل عصمت نبوی" ششماہی جہات الاسلام لاہور، جنوری-جون ۲۰۰۸ء۔ امام سیرت وحدیث ابن اسحاق نے اپنی السیرۃ النبویۃ میں اور امام حدیث امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی جامع میں بعثت سے قبل کے اعمال وسنن پر بحث کی ہے۔ نیز ملاحظہ ہو: خاکسار کا مقالہ "قبل بعثت اعمال وسنن کی دینی حیثیت" معارف، اعظم گڑھ، جون ۲۰۰۹ء۔

سے محکم طور سے آتا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے عادل و منصف ہونے کا مثبت ذکر اس کے ظلم و جور نہ کرنے کی فطرت وعادت سے منفی طور سے اس طرح پیوست ہے کہ دونوں لازم وملزوم ہیں۔ عربی محاورے اور واقعی مظاہرے نے سب کو بتادیا کہ اشیاء ہی نہیں کائنات کی تمام چیزیں اور ان کا خالق وباری عدل سے متصف اور ظلم سے منزہ ہے اور عدل اپنی ضد ظلم سے نہ صرف جانا پہچانا جاتا ہے بلکہ تمام اہل نظر مخلوقات اور صاحب ایقان کائنات کے علم وتجربے میں بھی آتا ہے۔ جمہور علماء و مفکرین اور سواد امت مرحومہ نے عدل الٰہی کو عظیم ترین صفات الٰہی میں شمار کیا اور ذات الٰہی سے اس کے افتراق کو غیر ممکن مانا۔ بعض قدری فلسفہ کے ماروں اور قدرت الٰہی کے امکانی قدروں کے پھیر میں مبتلا افراد و طبقات نے محض امکان موہوم کی خاطر قدرت الٰہی کو منشائے الٰہی سے ایسا پیوست کیا کہ ظلم و جور اور ناانصافی و بے رحمی تک سے اس کے ڈانڈے جاملائے کہ ان کے خیال میں قدرت کاملہ کو امکانات سے بھی محدود نہیں کیا جاسکتا۔ عدل الٰہی اور قدرت ربانی کے باہمی ربط ورشتہ کے نازک و دقیق فرق کو آیات کریمہ، احادیث نبویہ اور عقل و منطق کے میزان میں تولنا لازمی ہے۔ اس توازن وتناظر میں امت اسلامی کے ایک مکتب فکر نے قدریہ وجبریہ کے بے جا اور بے محل امکان کے توڑ کی خاطر عدل الٰہی کا خاص نظریہ بنایا اور اس حقیقت کا اثبات کیا کہ قدرت الٰہی اور منشائے ربانی و مرضی مولا جو چاہے کرے مگر اسی نے خود عدل وقسط اور رحمت ورافت کو اپنے اوپر لازم کر لیا اور یہ لزوم ووجوب اس کی قدرت و مرضی کی محدودیت نہیں بلکہ وسعت وبیکرانی ہے کہ عدل وانصاف ہی اس کی قدرت کاملہ بھی ہے اور اس کا اظہار کلی بھی۔ جور وظلم کا امکانی پہلو اس عدل بیکراں اور انصاف لامتناہی کا ایک منفی اظہار ہے۔ فلسفیانہ بحث و تمحیص اور منطقی استدلال وخیال کے باوصف سب مفکرین وعلماء اور مکاتب فکر کا اجماع ہے کہ عدل وانصاف سرشت الٰہی ہے۔ صرف صفت وعادت نہیں اور اسی حقیقت واحدہ کو سب تسلیم کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ عادل و منصف ہے اور عدل وقسط کو ہی پسند فرماتا ہے۔ وہ نہ صرف جور وظلم سے منزہ و پاک ہے بلکہ اس کو ناپسند کرتا ہے اور اس کو اپنے بندوں اور مخلوقات کے لیے بھی پسند نہیں کرتا بلکہ اس سے احتراز کلی کی ہدایت کرتا ہے اور عدل وانصاف کی صفت اپنی ذات میں پیدا کرنے اور دوسروں کے باب میں اس کی کار فرمائی کا پابند بناتا ہے۔ ذات الٰہی کی سرشت عدل وانصاف اس کے خیر کل ہونے کی حقیقت ہونے کے سبب ہر باب میں اور ہر آن اور ہر محل میں کارسازی کرتی ہے جبکہ انسان وبشر اور دوسری مخلوقات خیر وشر کو ان کی تخلیق وتربیت میں خیر وشر دونوں کے عناصر کی ترکیب کی بنا پر عدل وانصاف گستری کی پیہم ہدایت اور مسلسل تذکیر کی ضرورت لازمی کرتی ہے اور قرآن مجید کی آیات کریمہ ان کا ایک منظم و متوازن نظام پیش کرتی ہیں۔ (1)

۱- عدل الٰہی اور قدرت الٰہی کے ارتباط پر جمہور اسلامی علماء و مفکرین، قدریہ، جبریہ اور خاص کر معتزلہ ومرجئہ کے افکار ومباحث

بحث دوم:

سیرت نبوی سماجی عدل وانصاف کا مرقع

عدل الٰہی کی تعمیرِ سیرتِ نبوی میں کارفرمائی:

اللہ رب العالمین نے اپنے عدل وانصاف کے بیکراں خزانہ سے اپنے خاتم النبیین وسید المرسلین ﷺ کو آپ کی بشری طاقت اور نبوی بسالت کے مطابق حصہ وافر عطا فرمایا۔ عالم آب وگل میں گل سرسبدِ رسالت کے مادی پیکر میں اپنا پرتو عدل وانصاف کوٹ کر بھر دیا۔ روح وبدن کے امتزاجی پیکر میں اس کی اولین تکوینی تعمیر و تشکیل میں دوسری صفات انسانی اور عطایائے ربانی کے دوش بدوش عدل وانصاف کا خمیر اٹھایا۔ اسی الٰہی کارفرمائی اور ربانی کارسازی کی وجہ سے سید المرسلین نے ہوش وخرد کی عمر اور علم وتمیز کے مرحلہ سے قبل ہی ہر مرحلہ حیات میں عدل کا لاشعوری طور پر مظاہرہ فرمایا۔ روایات سیرت وحدیث اور آثار مناقب و معجزات اسے کرامات و معجزات کے باب خرق عادات میں لاتے ہیں۔ اصلاً وہ تعمیر سیرت و شخصیت میں یداللّٰہی کاریگری ہے اور خاص عین عادت وفطرتِ بشری۔ یہ سید المرسلین ﷺ کے عالم طفلی میں منصفانہ بزرگی اور عدالت کی نشانی بھی ہے۔[1]

کا تجزیہ از سر نو لازمی ہے۔ اصل نکتہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ اور منشائے بیکراں کے تحت جو چاہے کرے، کرسکتا ہے اور حقیقتاً کرتا بھی ہے مگر وہ اپنے عدل کے وصف کے سبب ظلم نہیں کرتا۔ جمہور علماء کا خیال ہے کہ وہ ظلم بھی کرسکتا ہے اور خطاکار کو معاف اور ہدایت یافتہ کو سزا دے سکتا ہے۔ لیکن یہ صرف ایک امکانی تشخیص ہے۔ وہ بھی یہ تسلیم کرتے ہیں کہ وہ ظلم نہیں کرتا اور نہ کرے گا بالخصوص ہدایت یافتہ اور اطاعت گزار کو نہ سزا دیتا ہے اور نہ جہنم رسید کرتا ہے البتہ وہ خطاکار و مجرم کو معاف کرسکتا ہے اور کردیتا ہے کہ اس کی رحمت بیکراں اس کی متقاضی ہے۔ معتزلہ نے عدل کے وجوب کو کھینچ کر رحمت کے دائرے کو سکیڑ دیا کہ وہ خطاکار گناہ گار اور بدکار کو سزا دینے کا پابند ہے۔ یہ وجوب مطلق تو ہو سکتا ہے مگر واقعی نہیں کہ اس میں رحمت کی عدل سے اور محبت کی سزا سے رشتہ داری کو نظر انداز کردیا گیا۔ یہ فلسفیانہ بحث محض اس لیے مشکل اور باعث خلجان بنی کہ آیات کریمہ واحادیث نبویہ کا مطالعہ مجموعی تناظر میں نہیں کیا گیا۔

۱۔ (تخلقوا باخلاق اللہ) اور ان جیسی احادیث کریمہ اور خلق الٰہی پر انسان خاص کر پیغمبران عظام اور ان میں بھی خاص الخاص سید المرسلین ﷺ کے تخلق کی ساتھ خالص تخلیق کی حامل آیات کریمہ انسان میں اور دوسری صفات کے ساتھ عدل کی صفات بھی ودیعت ہونے کی حقیقت بتائی ہیں۔

رضاعت میں عدل نبوی:

ولادت مبارکہ کے چند ایام کے اندر اندر ہی اس کا ایک عادلانہ اظہار یوں ہوا کہ اپنی رضاعی ماں حضرت حلیمہ سعدیہؓ کی مبارک وزندگی بخش چھاتیوں میں سے صرف ایک ہی سے لبن حیات ومحبت نوش فرماتے اور دوسرا سرچشمہ زندگانی اپنے دودھ شریک بھائی کے لیے چھوڑ دیتے۔ یہ وہی عدلِ الٰہی کا پرتو تھا جو پیکر نبوی میں ودیعت کیا گیا تھا اور جس کے سبب ایک عرصہ قبل ایک پیشرو اولوالعزم رسول مکرم علیہ السلام نے سرکاری مرضعات (دودھ پلائیوں) کو اپنے آپ پر حرام کرلیا تھا تاکہ وہ اپنی ماں کی گود میں جاکر سرچشمہ حیات سے سیراب ہوں اور وعدہ الٰہی کا ایفاء کریں۔[۱] رضاعت وپرورش نبوی کے باب میں یہ عدل وتوازن فطری ووجدانی بھی یادرکھنے کی چیز ہے کہ فروتر کردار کے حامل خاندانوں کی کمتر خواتین کے دودھ سے ان کی سیرابی نہیں کی گئی۔ محمدی رضاعت میں بالترتیب رضاعت والدہ ماجدہ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا، رضاعت حضرت ثویبہ اسلمیہ رضی اللہ عنہا اور رضاعت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا آپ کے شایان شان تھیں۔[۲]

نشوونما میں عدل:

اپنے اعمام وعمات (چچاؤں اور پھوپھیوں) اور خاص کر اپنے دونوں حقیقی اعمام زبیر بن عبدالمطلب وابوطالب بن عبدالمطلب کے گھروں میں کچھ بھی تناول ونوش کرتے تو صرف اپنے حصہ پر اکتفا فرماتے اور اپنے ہم عمر اور شریک طعام وشراب بھائی بہنوں کے حصہ کو ہاتھ نہ لگاتے۔ شرکت ومصاحبت نبوی سے گھر والوں کے آب وطعام میں برکت کا ظہور ومشاہدہ اور معجزہ بھی الٰہی عدل گستری کی کارفرمائی تھی اور وہ نبوی عدل گستری بن کر ظہور میں آئی تھی۔

۱۔ رضاعت نبوی کے متعلق ابواب کتب سیرت ملاحظہ ہوں۔

۲۔ حضرت ثویبہ اسلمیہ رضی اللہ عنہا کے رضاعت نبوی کو ایک باندی / لونڈی کی رضاعت غلط فہمی کی وجہ سے قرار دیا گیا ہے۔ وہ مولاۃ ابی لہب / بنی ہاشم کے رشتہ ولاء کی وجہ سے تھیں اور کافی بلکہ عظیم ترین دودھ پلائی اور خاندانی شخصیت تھیں۔ بحث کے لیے ملاحظہ ہو کتاب خاکسار: رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعی مائیں یا حضرت ثویبہ رضی اللہ عنہا پر مضمون وکتابچہ وغیرہ۔ حکیم محمود احمد ظفر، سیرت خاتم النبیین، تخلیقات لاہور ۲۰۱۰ء، ص ۱۲۴ پر رقمطراز ہیں کہ "قریش میں خوشحالی اور برتری کے زعم کا ایک تکلف یہ تھا کہ ۔۔۔۔ دوسرا (تکلف یہ کہ) خاندانی عورتوں یا باندیوں سے دودھ پلوایا کرتی تھیں" اور اس سے قبل حضرت ثویبہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں تمام بے سروپا روایات نقل کی ہیں۔ پوری عرب تاریخ میں کسی باندی یا فروتر دودھ پلوائی کا ذکر نہیں ملتا۔

عالم طفولیت میں بے خبری اور بے سمجھی میں یہ احساس یگانگت و شراکت عدل و معدلت بن کر چھلکتا کہ مربیوں سے جو کچھ ملتا اسے مل بانٹ کر کھاتے پیتے اور پہنتے اوڑھتے۔ اپنے ہم سن بھائی بہنوں اور عزیزوں اور بچوں کے ساتھ یہ طفلانہ عدالت باہمی محبت و عقیدت کی قندیلیں دلوں میں روشن کرتی اور بڑوں، بزرگوں اور محسنوں و مربیوں کے ساتھ شراکت و مصاحبت اور ایثار و محبت کا معصوم سلوک ان کی توجہات عالیہ کو اور بڑھا دیتا۔[۱]

عرب قریشی مروءۃ:

قریش مکہ، ان کے سادات و شیوخ، عوام و خواص اور بیت اللہ کے متولیان و مجاوران کرام میں سماجی شراکت داری، باہمی تعاون، مخلصانہ امداد و انفاق کا خاص سماجی رویہ ان کی قومی صفت "مروءۃ" کی دین تھا اور اس کی تعمیر و تشکیل اور ترویج و تشخیص روایات دین ابراہیمی نے کی تھی۔ وہ قومی روایت اور قریشی وتیرہ نبوی عطایائے کرم گستری سے بنا تھا اور اس کی روحانی۔ تکوینی اور ربانی ساخت و پرداخت عدل گستری ربانی ہی رہی تھی۔ قبائلی اور قومی زندگی میں اس کے دو مظاہر سامنے آتے اور تعمیر سیرت و کردار کرتے رہے۔[۲]

ایک باہمی تعاون و قومی شراکت داری کے عادلانہ وصف کی حیثیت سے کہ وہ تمام عوام و خواص، خورد و بزرگ، مرد و زن تمام قومی کاموں میں مساوی طور سے حصہ لیتے اور تقسیم کار عادلانہ بنیادوں پر قریشی خاندانوں کی سماجی حیثیت اور قبائلی مرتبت کی بنیادوں پر ہی کیا جاتا تھا افراد و شخصیات اور خاندانوں اور بطون کی سماجی مرتبت اور معاشرتی منزلت بظاہر غیر عادلانہ دکھتا ہے مگر اس کی لازمی رعایت بھی عدل گستری کے لیے ضروری تھی کہ سماجی منزلت کی اقدار و درجہ بندی کو ہمیشہ تسلیم کیا اور ایک حقیقت سمجھا گیا حتی کہ انبیاء و مرسلین میں تفضیلی مرتبہ بندی کا الٰہی قانون ملتا ہے۔ اسی رعایت سماجی اور تفضیل معاشرتی کو عدل و ضبط اور قسط و انصاف سے تعبیر کیا اور اس کی خلاف ورزی کو ہمیشہ ظلم و عدوان اور جور و سرکشی سمجھا گیا۔[۳]

۱- مصادرِ سیرت میں ابن اسحاق، ابن ہشام اور ابن سعد وغیرہ کے ابواب ملاحظہ ہوں۔ ثانوی کتب میں شبلی، داناپوری اور کاندھلوی وغیرہ کی کتب ملاحظہ ہوں۔ نیز محمود احمد ظفر، مذکورہ بالا، ص ۱۲۷، کا بیان ہے کہ "آپ صرف دائیں پستان سے دودھ پیتے اور جب بایاں پستان آگے کرتی تو آپ اپنا منہ ہٹا لیتے۔۔۔" بحوالہ مدارج النبوۃ از شیخ عبدالحق محدث دہلوی۔

۲- روایت مروءۃ پر مستشرقین نے بڑی جاندار تحقیق کی ہے۔ ملاحظہ ہو: مروءۃ، اردو دائرہ معارف اسلامیہ، لاہور وغیرہ۔ نیز مکی عہد نبوی میں اسلامی احکام۔

۳- قومی کاموں میں ملی / قریشی شراکت داری کے مظاہرے حرب فجار وغیرہ جنگوں کے علاوہ عہد نبوی میں دوبار تعمیر خانہ کعبہ میں نظر آتے ہیں۔ ملاحظہ ہو: ابن اسحاق / ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، تحقیق حمدی، مکتبہ المورد، قاہرہ، ۲۰۰۶ء، ج ۱، ص ۱۲۸-۱۳۰، اس کی شرح سہیلی، الروض الانف، مرتبہ مجدی بن منصور، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۲۰۰۹ء، ج ۱، ص ۳۳۶ و مابعد۔

ظلم وجور عرب "مروءۃ" میں اسی طرح مبغوض ومردود تھا جس طرح عدل وانصاف محبوب وپسندیدہ۔ یہ عدل وانصاف نبوی سنت ابراہیمی کا عطیہ تھا۔ قبل بعثت نبوی کے زمانے میں ظلم وجور کو کبھی مردانگی کا نشان نہیں سمجھا گیا۔ اس کے برعکس اسے کمزوری، ناداری اور بے چارگی کا پرتو گردانا گیا۔ عرب جاہلی شاعری، قومی روایات معاشرت اور اقدار واعلام مروت وسماحت نے عدل وانصاف کے گن گائے اور ظلم وجور کی مذمت کی۔ عادل اور منصف کو سراہا اور ظالم وجابر کو ہدف طعن ونقد بنایا۔(۱) حاتم طائی عرب میں سخاوت کے ساتھ عدل وانصاف کا بھی پیکر تھا۔ عرب جاہلی میں بالعموم ہر بڑے قبیلہ میں اکابر عدل ہوتے تھے جو منصفانہ فیصلے کرتے تھے نفیل بن عبدالعزیٰ عدوی وغیرہ۔(۲) قرب وجوار کے ملکوں میں ایرانی شہنشاہ نوشیروان عادل ہی کے لقب سے ایسا مشہور ہوا کہ عدل اس کے نام کا جزو بن گیا۔(۳) شاہ نجاشی اپنے عدل وانصاف کی بناپر اپنے ملک وقوم ہی میں نہیں، عرب کے صحراؤں اور شہروں میں معدلت گستری کی وجہ سے محبوب خلائق تھا۔(۴) عرب قوم اور عربی روایات کا افتخار عدل یہ بھی تھا کہ ابوربیعہ بن مغیرہ مخزومی کو "العدل" کا لقب صرف اس لیے عطا کیا گیا کہ وہ ہر دوسرے سال اپنی قوم قریش کے سرداروں ومالداروں کے طبقہ کی مشترکہ قومی روایت کے بالمقابل تن تنہا صرف اپنی دولت سے غلاف کعبہ کا انتظام کرتے تھے۔(۵) قومی معاملات اومعاشرتی امور اور دوسرے سماجی اداروں میں ایسے عادلوں کا ذکر آتا رہتا ہے کہ وہ دین ابراہیمی کی صالح روایات واقدار تھیں۔ اس کے برعکس ظلم وجور اور ان کے خوگر افراد وطبقات اور ان

۱- کتاب خاکسار "مکی عہد نبوی میں اسلامی احکام کا ارتقا"، حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی، **حجة الله البالغه**، مکتبہ سلفیہ، لاہور، ج۱، ص۱۲۸ وغیرہ۔

۲- حاتم طائی، اردو دائرہ معارف اسلامیہ، لاہور وغیرہ، ابن قتیبہ، کتاب المعارف کا آخری باب بادشاہوں کا تذکرہ، اردو ترجمہ علی محسن صدیقی، قرطاس، کراچی، ۲۰۱۲ء۔

۳- "نوشیروان" مقالہ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، لاہور، نیز ابن قتیبہ مذکورہ بالا۔

۴- شاہ نجاشی کے عدل کی تعریف زبان نبوی سے ہوئی ہے۔ ملاحظہ ہو: ابن اسحاق / ابن ہشام، ج۱، ص۳۲۷، (لو خرجتم الی ارض الحبشة فان بها ملکا لا یظلم عنده احد وهی ارض صدق....الخ)

۵- ازرقی، اخبار مکۃ، تحقیق عبدالملک بن عبداللہ، مکتبۃ الاسدی، مکہ مکرمہ، ۲۰۰۸ء، ص۳۵۵-۳۵۴، ان کی اولاد بنو العدل کے لقب سے مشہور ہوئی۔

کے حکمرانوں اور شاہوں کا، ظالموں کے نفرت انگیز طبقہ میں ذکر آتا ہے۔ فراعنہ مصر ہوں یا کسریٰ ایران، یا پھر عرب و عجم کے دوسرے ظالموں اور جابروں کے طبقات، وہ ہمیشہ اپنے ظلم وجور کے سبب قابل نفرت ٹھہرے۔ یہاں تک معاملہ قدر انسانی یہ رہا کہ دین و شریعت سے انحراف اور شرافت و مروت سے گریز کو بھی ظلم وجور سمجھا اور مردود گردانا گیا۔ دین ابراہیمی کی اقدار صالحہ اور روایات پسندیدہ کی پاسداری بھی عدل گستری سمجھی گئی اور ان کے علمبرداروں کی تعریف و تحسین کی گئی۔ (۱)

حلف الفضول:

دوسرا مظاہرہ سماجی ظلم وجور کے بر خلاف سینہ سپر ہو جانے کا ہے۔ جب ایک فعال طبقہ اس کا داعی اور علمبردار اور نفاذ کرنے والا بن جاتا ہے اور دوسرا طبقہ یا طبقات اس کے ساتھ دلی طور سے ہوتے ہیں خواہ وہ فعال و کارساز نہ بن سکیں۔ وہ بہر حال ظلم وجور کے خلاف تھے۔ اس کی ایک نمایاں مثال حلف الفضول کی ہے۔
حضرت محمد بن عبد اللہ ہاشمی ﷺ کی قبل بعثت نشو و نما اور تعلیم و تربیت مکی معاشرے اور عرب کے وسیع تر سماج کی صالح روایات اور فطرت بخش ماحول میں ہوئی۔ جس طرح بہت سے دوسرے نونہالانِ قریش اور نوجوانانِ عرب کی ہوئی تھی۔ سرداران قوم اور شیوخ قبائل ان کے دینی اور قومی صالح سادات روایات کو قابل فخر سمجھتے اور ان کے ترک کو گناہ گردانتے اور ان میں عدل و انصاف اہم تر تھے۔ اس مایہ فخر میں ایک عدل و انصاف کا قیام و نفاذ تھا، جس پر انحرافات دینی اور تصرفات قومی اور تجاہلات قبائلی کے تاریک سائے بھی چھا گئے تھے۔ مگر صالح نفوس اور قومی افتخار کے خوگر افراد و طبقات نے عدل و انصاف کا دامن تھامے رکھا اور اس کے نفاذ کے لیے اجتماعی مساعی کیں۔ ان میں سے ایک حلف الفضول کا معاہدہ تھا۔ جس کا مقصد ساکنان حرم کو بالعموم اور بیرونی زائرین و تاجرین کو بالخصوص ظلم و تعدی سے محفوظ کرنا تھا۔ وہ قومی وتیرہ عدل و انصاف کو اجتماعی کوششوں کے ذریعہ قومی سطح پر نافذ اور جاری ساری کرنے کی ایک احیائی تحریک تھی کہ عہد نبوی سے ایک عرصہ قبل ایک طبقہ عدل گسترنے اول اول ایک اجتماعی و طبقاتی تحریک چلائی تھی اور اس نے عرب قومی مزاجِ عدل بنانے میں خاصا اہم کردار ادا کیا تھا۔ حضرت محمد بن عبد اللہ ہاشمی ﷺ کے عہد شباب میں اس کی اولین تحریک احیاء آپ کے حقیقی چچا زبیر بن

۱- شاہ ولی اللہ، **حجة الله البالغه**، ج۱، ص۱۳۰-۱۲۸۔

عبد المطلب ہاشمی نے چلائی اور ہمنواؤں کو جمع کر لیا۔ متعدد قریشی خاندانوں کے شیوخ وسادات اور اکابر وسردار کے علاوہ نوجوانانِ قریش بھی شامل تھے اور ان میں آپ ﷺ بھی شریک رہے تھے حلف الفضول کا قدیم وجدید متن / متون سرزمین حرم اور ساکنان مکہ کو ظلم وتعدی سے بچانے اور عدل وانصاف فراہم کرنا اس کا سرنامہ بتاتے ہیں: "...الحلف الذی عقدته قریش بینها علی نصرة کل مظلوم بمکة... کان قدسبق قریشا الی مثل هذا الحلف جرهم فی الزمن الاول..."(۱)

تحفظ سماجی کی دوسری صورتیں:

عرب کے قبائلی نظام میں ذاتی اور جان ومال کے تحفظ اور سماجی حفاظت کا ایک سہ طبقاتی نظام ہمیشہ سے فعال وکارگر رہا اور سماجی عدل وانصاف فراہم کرتا رہا۔ مستشرقین اور جدید سیرت نگاروں نے بالعموم اسے قبائلی عددی برتری بڑھانے کا طریقہ سمجھا اور سمجھایا ہے اور روایتی مورخین اس سے نابلد ہیں۔ اصلاً وہ نظام تحفظ سماجی تھا جو ایک کمزور فرد یا طبقہ کو ایک برتر یا طاقتور سماج میں جان ومال اور عزت وآبرو کا تحفظ فراہم کرتا تھا۔ وہ ملکی اور آفاقی دونوں کے لیے تھا۔ ملکی سطح پر یوں کہ دو قبیلے حلف وتحفظ کا معاہدہ کر لیتے یا افراد وطبقات جو کمزور ہوتے برتر اور طاقتور کی پناہ میں آجاتے۔ بالعموم جوار اور جار کا نظام کمترین سطح پر جس میں ایک کمزور شخص یا چھوٹا گروہ خواہ ملکی ہوتا یا آفاقی کسی مقامی شیخ اور اس کے خاندان طاقتور سے پناہ وتحفظ حاصل کر لیتا۔ وہ جار وجوار پورے خاندان کا ہوتا۔ اسی طرح مولیٰ اور موالی، رشتہ ولا استوار کر کے ایک طاقتور خاندان کے ہمکار ووفادار بن جاتے۔ ان میں آزاد اشخاص وطبقات بھی تھے اور غلامی سے آزاد بندگان بھی۔ ان دونوں رشتۂ وفا وتحفظ میں ایک طبقہ کمزور وکمتر ہوتا جو ایک طاقتور اور برتر طبقہ کی پناہ میں آجاتا اور پوری طمانیت وعزت کے ساتھ زندگی بسر کرتا تھا۔ ان دونوں سے بلند تر طبقات حلفاء / حلیف تھے جو مساوی سماجی عزت ودرجہ کے افراد وطبقات یا قبائلی ہوتے اور وہ ایک دوسرے سے حلف کا معاہدہ کر کے دوست بن جاتے۔ قریش مکہ اور دوسرے قبائل حضارہ وتمدن میں اور بدوی قبائل میں بھی اسی طرح تینوں نظامات تحفظ سماجی بروئے کار لائے جاتے اور وہ سب کو تحفظ فراہم کرتے۔ بلاشبہ ان سے عددی برتری اور اس کی وجہ سے طاقت بھی ملتی مگر ان سب کا بنیادی محور ومحرک یہی تھا کہ ان کو

۱۔ ابن ہشام، ج۱، ص ۹۳، سہیلی، ج۱، ص ۲۴۲۔

شدائد کے صحراؤں اور مظالم کے شہروں میں عدل وانصاف مل سکے، جوار، ولاء اور حلف کے رشتہ اور معاہدوں کو اس ضمن میں پرکھنا چاہیے اور رسول اکرم ﷺ کے جار، موالی اور حلفاء کے معاہدات وروابط اسی کے شاہد عدل ہیں۔ (1)

مکی عہد نبوی:

قرآن مجید کی آیات کریمہ عدل وانصاف سے متعلق احکام وہدایات کا سراغ اولین روزِ اسلام سے دیتی ہیں اور تمام انبیائے کرام کے صحف کے متون کا حوالہ بھی ہیں۔ وہ منطقی تسلسل اور واقعاتی ارتقاء کا معاملہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کی فطرت عدل وانصاف تمام انبیائے کرام کی سرشت وطنیت میں ودیعت کی گئی اور سلسلہ نبوت کے تمام دوسرے عطایا اور خواص کی مانند وہ تمام پیشرو انبیائے کرام کی کتابوں اور تعلیمات کا ایک اہم ترین سرنامہ بنی اور قرآن مجید میں کمال ارتقا اور معراج اظہار وبیان کو پہنچی۔ اس زمانی تسلسل وارتقاء کا تقاضا تھا کہ مکی دور نبوت میں نازل شدہ آیات قرآنی میں بھی عدل وانصاف کا ذکر خیر آئے۔ بلاشبہ مدنی آیاتِ کریمہ میں آیات عدل وقسط اور ہدایاتِ انصاف وکرم گستری کا زیادہ اور مختلف محلات ومتنوع حالات کا لحاظ سے ذکر ملتا ہے۔ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ مدنی دورِ نبوت میں ریاستی قوت نافذہ حاصل ہونے کے سبب اس کے قیام ونفاذ کی ذمہ داری سید المرسلین ﷺ کے دوش مبارک پر آپڑی لیکن یہ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ افراد ملت اور طبقات امت یا ان کے حلقہ ارادت کے باہر انفرادی اور اجتماعی ادارے اور افراد عدل وانصاف کے قیام ونفاذ کے مکلف وپابند نہ تھے۔ عدل وانصاف تو ہر انسانی سماج کی بقا وصحت کے لیے ناگزیر ہے حتی کہ پورا نظام کائنات عدل ہی پر استوار وبرقرار ہے۔ اسی طرح سیاسی نظام اور ریاستی انصرام کی زائد ذمہ داری سے قبل کے زمانے میں عدل وانصاف کے تقاضوں کو پورا کرنے سے پہلو تہی برتنے کی حرکت یا صرف مدنی دور حاکمیت میں ان کے نزول وہدایت کی جاہلانہ سوچ کی غیر منطقی وکالت بھی نہیں کی جاسکتی کہ وہ مدنی آیات ہیں لہٰذا ان کا اطلاق وانطباق مکی دور رسالت پر نہیں کیا جاسکتا۔ عدل وانصاف سماجی ہو یا کسی اور نوعیت کا وہ توحید ورسالت وآخرت کی طرح ناگزیر اسلام ہے۔ مکی دور نبوی میں البتہ عدل وقسط کے احکام مجمل اور بنیادی واقعیت کی صورت میں عطا کیے گئے اور اقوام وملل کے واقعات اور قصص الانبیاء کے مضامین میں ان کی نوعیتیں بھی بیان کی گئیں۔ ان کا ایک مختصر تجزیہ مکی عہد میں سید المرسلین وخاتم النبیین ﷺ کے لیے ہدایات عدل وانصاف کا گوشوارہ فراہم کرتا ہے۔

1- بحث کے لیے کتاب خاکسار، "مکی اسوہ نبوی" اسلامک بک فاؤنڈیشن دہلی ۲۰۰۵ء، زوار اکیڈمی، کراچی، ۲۰۰۶ء۔

انسانوں کے درمیان عدل کرنے کا حکم: ﴿وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَیْنَکُمْ﴾[1] ﴿اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ﴾[2]

معاشرہ میں عدل کرنے اور نہ کرنے کا موازنہ: ﴿ھَلْ یَسْتَوِیْ ھُوَ وَمَنْ یَّاْمُرُ بِالْعَدْلِ﴾[3]

قولی عدل: ﴿وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَلَوْ کَانَ ذَا قُرْبٰی﴾[4]

ناپ تول میں / ترازو میں قسط و عدل: ﴿وَاَوْفُوا الْکَیْلَ وَالْمِیْزَانَ بِالْقِسْطِ﴾[5] ﴿اَوْفُوا الْمِکْیَالَ وَالْمِیْزَانَ بِالْقِسْطِ﴾[6] ﴿وَاَقِیْمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ﴾[7] ﴿وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِیْمِ﴾[8]

﴿وَاَوْفُوا الْکَیْلَ اِذَا کِلْتُمْ وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِیْمِ﴾[9]

سورۃ المطففین میں ناپ تول میں ڈنڈی مارنے کا ذکر اس ہدایت قسط و عدل کا منفی لحاظ سے آیا ہے اور اسے نہ صرف گناہ اور قابل عتاب گردانا گیا بلکہ دنیا میں باعث سزا و جرمانہ بھی قرار دیا گیا ہے۔ اس کے تاریخی واقعات اور مقامی انحرافات کا ذکر بھی روایات تفسیر میں آتا ہے۔[10]

ان تمام مکی آیات کریمہ میں اہل ایمان کو بالعموم اور امت مرحومہ کو بالخصوص عدل وانصاف سے ہر معاملہ میں کام لینے کا حکم دیا گیا ہے اور ان کے توسط سے دوسرے تمام انسانی افراد اور معاشروں کے لیے بھی وہی

۱۔ سورۃ الشوریٰ: ۱۵۔

۲۔ سورۃ النحل: ۹۰۔

۳۔ سورۃ النحل: ۷۶۔

۴۔ سورۃ الانعام: ۱۵۲۔

۵۔ ایضاً۔

۶۔ سورۃ ہود: ۸۵۔

۷۔ سورۃ الرحمن: ۹۔

۸۔ سورۃ الشعراء: ۱۸۲۔

۹۔ سورۃ الاسراء: ۳۵۔

۱۰۔ ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم اور دوسری کتب تفسیر میں ان کی تشریح و تفسیر میں تفسیری روایات واقوال؛ بخاری / فتح الباری شرح صحیح البخاری، احمد بن علی بن حجر العسقلانی، دار المعرفہ، بیروت، ۱۳۷۹ء، پارہ ہشتم کے مختلف مباحث سورۃ میں روایات حدیث بالخصوص؛ مکی عہد نبوی میں اسلامی احکام میں ناپ تول وغیرہ کے مباحث۔

احکام عام وخاص ہیں۔ عدل وانصاف کا معاملہ جوہری اور بنیادی ہے کہ اسی پر فرد اور قوم اور ملک کی صحت وبقا منحصر ہے۔ بعض تفسیری روایات وآثار میں عدل کے نفاذ وقیام پر ماموریت سید المرسلین ﷺ کا ایک بہت تنگ، محدود اور ناقابل یقین تصور وبیان دیا گیا ہے۔(۱)

مکی دور عدل کے تجزیے سے واضح ہوتا ہے کہ وہ تمام معاشرتی معاملات اور انسانی امور میں رسول اکرم ﷺ کی ماموریت اور امت اسلامی کی تکلیف وپاسداری اور عام انسانی سماج کی ذمہ داری کو محیط ہے جیسا کہ سورۃ النحل:۹۰ میں نہ صرف عام عدل کا حکم ہے بلکہ احسان کا بھی ہے جو عدل سے آگے اور برتر چیز ہے۔ رسول اکرم ﷺ اور صحابہ کرام وصحابیات طاہرات نے ان احکام عدل واحسان کو اپنی ذات وفطرت میں اس طرح اتار لیا تھا کہ وہ عدالت صحابہ اور عدل نبوی بن کر معاشرہ انسانی کی تطہیر وتعمیر کر گیا۔ بہت سی آیات قرآنی میں اسی فطرت عادلانہ کی وجہ سے ان کو محسنین کہا گیا اور رسول اکرم ﷺ تو اپنی فطرت وسرشت اور عمل واطلاق سے امام العادلین وسید المحسنین ہیں۔(۲)

قولی عدل کا حکم اور وہ بھی اقربا واعزہ کے معاملات کے بارے میں بڑا سخت امتحان ہے۔ عدل وانصاف کا تقاضا ہے کہ ایسے امور میں خاموشی وسکوت بھی جرم وگناہ ہے کہ سکوتِ سخن شناسی کے علاوہ وہ حق وانصاف کو چھپانے اور جھٹلانے اور ظلم وجور کو بڑھاوا دینے کے مترادف ہے۔ رسول اکرم ﷺ اور آپ کے صحابہ وصحابیات نے مکی عہد نبوی میں دینی حق کے بارے میں معاشرت وتجارت میں، معاملات میں غرض کہ ہر امر ومعاملہ میں قول حق کا برملا اظہار کیا اور اپنے قربت وقرابت والوں کے سامنے بھی اور غائبانہ بھی اور ان کے خلاف بھی بسا اوقات کیا کہ وہ سب عادل فطرت سمجھے گئے۔ ویسے صدق مقالی عرب قومی روایت اور قریشی سماجی رویہ تھی اور کذب اور

۱۔ مثلاً مکی سورۃ الشوریٰ:۱۵، ﴿وَأُمِرْتُ لِأَعْدِلَ بَيْنَكُمُ﴾ کی شرح وتفسیر میں متعدد مفسرین نے اسے صرف دعوت وارشاد تک محدود کر دیا ہے۔

۲۔ اس محدود وناقص شرح کا سبب صرف یہ ہے کہ علماء ومفسرین اور مفکرین کے خیال ناقص میں یہ جم گیا ہے کہ مکی دور میں سید المرسلین ﷺ اور صحابہ کرام صرف دین حق کی تبلیغ وارشاد پر مامور تھے اور شریعت وقانون سے آزاد تھے۔ سماجی معاملات میں عدل وانصاف کا کام وہ آپ کی مکی نبوت کے دائرے میں نہیں شامل کرتے۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ آپ اپنی نبوت ورسالت کے اول روز سے خالص دین وشریعت محمدی سے سرفراز تھے اور عدل وانصاف خواہ شخصی ہو یا دینی یا وسیع تناظر میں سماج کے معاملے میں آپ سے بڑھ کر اور کون عادل ہو سکتا تھا یا عدل کر سکتا تھا۔

جھوٹ اور غلط بیانی کو نہ صرف برا سمجھا جاتا بلکہ شرافت کے خلاف گردانا جاتا تھا۔ دربار نجاشی میں صحابہ وامراء قریش نے اور دربار ہرقل میں حضرت ابوسفیان اموی رئیس وفد وکاروان قریش نے سید المرسلین ﷺ کے بارے میں قول حق ہی بولا تھا۔[1] عدل وانصاف قولی کی بہت سی شہادتیں روایات سیرت، تاریخ اور واقعات وتفاسیر میں ملتی ہیں اور صرف ان کا بیان ہی ایک دفتر تحقیق کا متقاضی ہے صرف چند مثالیں:

دشمنان دین وجان کا اعتراف حق: رسالت محمدی کی حقانیت کی تصدیق تو قریب قریب تمام اکابر وخواص قریش کو تسلیم تھی۔ ولید بن مغیرہ مخزومی، عاص بن وائل سہمی، ابوجہل مخزومی، ابولہب ہاشمی اور عقبہ بن ابی معیط اموی جیسے متعدد اکابر کو اعتراف تھا لیکن شخصی دشمنی یا قبائلی وخاندانی عصبیت سے انکاری تھے۔

رسول اکرم ﷺ کا قول حق دین وشریعت اور سماجیات میں: صرف وہ واقعہ کافی ہے جب آپ نے ابوطالب ہاشمی کی مجلس اکابر میں چاند سورج کو دائیں بائیں ہاتھوں میں رکھنے کی بات کہی تھی۔ اس کے علاوہ آبائی دین کی مخالفت، دین اسلام کی حمایت اور عام صحابہ اور کمزور مظلوم صحابہ کی مدافعت میں آپ کے ارشادات میں ابوطالب اور دوسرے اکابر سے بھی آپ نے یہی فرمایا تھا کہ یہ ہمارے جدامجد حضرت ابراہیم علیہ السلام کا صحیح دین ہے اور یہی اللہ تعالیٰ کا واحد پسندیدہ دین ہے اور بت پرستی یا غیر اللہ کی عبادت شرک وظلم ہے۔ جیسا کہ آیت قرآنی میں ہے۔

صحابہ کرام وصحابیات کا قول عدل وانصاف عوم اور اقربا واکابر قوم کے سامنے: مظلوم صحابہ کا دین حق ان کا اعتراف، ان کے مقاطعہ اور ظلم پر احتجاج اور متعدد مواقع پر اسلام، رسول اکرم ﷺ اور اسلامی سماجی نظام

۱۔ دربارِ نجاشی میں حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے دو خطباتِ پیغام ورسالت اور حقانیت خاتم النبیین ﷺ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشریت ورسالت کے بارے میں تھے۔ موخر الذکر بھی صحابہ کرام کے اجماعی اتفاق سے صحیح اسلامی نقطہ نظر پیش کرنے کا فیصلہ ہوا تھا خواہ وہ فکر وعقیدہ عیسائی کے خلاف ہو۔ حضرت نجاشی رضی اللہ عنہ نے ایمانی صلابت سے اسلامی عقیدہ وفکر کو ہی صحیح عیسائی عقیدہ ثابت کیا تھا۔ بحث کے لیے مکی اسوہ نبوی کا باب دوم اور اس کے مآخذ ابن اسحاق وغیرہ۔
صلح حدیبیہ کے بعد حضرت ابوسفیان اموی شام / ایلیا میں تھے جب رسول اکرم ﷺ کے نامۂ مبارک کے بارے میں اور خاص رسالتِ مصطفی ﷺ کے متعلق معلومات حاصل کرنے کے لیے ہرقل روم نے قریشی کاروان تجارت کے قائد کو طلب کیا تھا اور کاروان کے دوسرے اراکین کو ہدایت کی تھی کہ اپنے قائد وامیر کے بیانات کی تصدیق یا تکذیب کریں۔ اگرچہ حضرت ابوسفیان اموی اس وقت غیر مسلم تھے، لیکن سچ بولتے تھے کہ صدق مقالی ان کی عرب سرشت میں تھی اور کسی نکتہ پر غلط بیانی ان کی تکذیب تک لے جاتی۔

کی مدافعت میں متعدد اکابر صحابہ کے بیانات بالخصوص ظلم وجور کے معاملات میں اور ہجرت حبشہ میں ہجرت مدینہ کے تعلق سے۔[1]

عملی عدل معاشرتی:

قول کا ایک لازمی تعلق فعل وعمل سے بھی ہے اور مکی آیات کریمہ میں عملی عدل وانصاف سماجی کا فریضہ انجام دینے کا حکم بالواسطہ یا براہ راست دیا گیا۔ رسول اکرم ﷺ نے اس عملی عدل معاشرتی کا بڑا جرأت مندانہ ایک لحاظ سے نفسیات / سائیکی ساز نمونہ واسوہ پیش کیا اور سماجی طبقات کو اس کے لیے برانگیختہ کیا۔ مظلوم وآفاقی تاجروں اور بیرونی زائروں کو اکابر قریش میں سے متعدد ظالموں جیسے ابوجہل مخزومی، عاص بن وائل سہمی وغیرہ سے محض اپنی اخلاقی قوت وایمانی صلابت سے نہ صرف بچایا بلکہ مظلوموں کو ان کا حق دلایا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے مسلم ضعیف افراد وطبقات کو مظالم سفہائے قریش سے بچایا تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان میں سے متعدد کو غلامی یا جبر کے چنگل سے آزاد کرایا۔ دوسرے صحابہ کرام نے بھی عدل معاشرتی کے عملی جہات کو پروان چڑھانے اور بروئے کار لانے کا کارنامہ انجام دیا۔ صحابیات طاہرات بھی ان سے پیچھے نہ تھیں۔[۲]

مدنی آیات کریمہ میں ہدایات عدل وقسط کا بیان زیادہ صراحت اور تنوع کے ساتھ آتا ہے مگر وہ بنیادی مکی عام فرمان عدل کا توضیحی بیان ہے اور بہت معنی خیز بھی۔ مکی آیات کریمہ میں شہادت حق اور قوامی عدل وقسط کا

۱۔ تمام مصادرِ سیرت اور کتب وتالیفات متاخرین کے مختلف مباحث میں ان بیانات کا ذکر ملتا ہے۔ مکی اسوہ نبوی کے مباحث میں اس پر خاصی بحث ہے۔

۲۔ مکی اسوہ نبوی کی بحث مدافعت دین وسماج بالخصوص ملاحظہ ہو مآخذ میں ابن ہشام، ج ۱، ص ۱۸۲-۱۶۷ ومابعد کے مباحث: مباداۃ رسول اللہ ﷺ قومہ.... /ذکر مالقی رسول اللہ من قومہ؛ سہیلی میں ان کی شرح وتفسیر کے علاوہ بخاری کے مختلف ابواب وکتب خاص کر قبل بعثت اور مکی دور کے واقعات سیرت میں اس قسم کے عناوین ومباحث ہیں؛ بخاری /**فتح الباری شرح صحیح البخاری**، احمد بن علی بن حجر العسقلانی، دار المعرفہ، بیروت، ۱۳۷۹ء، ج ۷، ص ۲۰۷ ومابعد: کتاب مناقب الانصار، باب ذکر مالقی رسول اللہ ﷺ واصحابہ من المشرکین بمکۃ وغیرہ مختلف ابواب۔ خواتین اور ان کے عملی اقوال حق واقدامات اور ان کے معاملات میں رسول اللہ ﷺ کے سماجی عدل وانصاف کے واقعات کے لیے کتاب خاکسار، رسول اکرم ﷺ اور خواتین، ایک سماجی مطالعہ، اسلامک بک فاؤنڈیشن، نئی دہلی، ۲۰۰۶ء کے مختلف مباحث۔

جس طرح ذو معنی اور وسیع الاطراف حکم آیا ہے وہ مدنی آیات مقدسہ میں مفقود ہے یا تابع مفہوم ہے۔ یہ بھی ایک دلچسپ اور اہم ترین نکتہ ہے کہ مدنی آیات واحکام میں فروعی اور خاص خانگی معاملات سیاسی ملی امور اور عام سماجی انحرافات سے زیادہ ارتباط و تعلق رکھتا ہے۔ ان کا ایک مختصر تجزیہ مکی آیاتِ عدل کا امتیاز مدنی احکامِ قسط وانصاف سے نمایاں طور سے واضح کردے گا۔

عورتوں / ازواج کے باب میں عدل وانصاف کرنا: اگرچہ وہ ناممکن العمل امر ہے۔ سورۃ النساء کی آیات کریمہ ۳اور ۱۳۵ میں بالترتیب آیا ہے: ﴿وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِی الْیَتٰمٰی فَانْکِحُوْا.... فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً...الخ / یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ بِالْقِسْطِ.....الخ﴾

خواہش نفس عدل گستری میں حائل نہ ہونے کی تنبیہ وہدایت: اسی سورۃ النساء کی آیت کریمہ ۱۳۵ میں ہے: ﴿فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰٓی اَنْ تَعْدِلُوْا...الخ﴾۔

کسی فرد / قوم کی دشمنی عدل نہ کرنے کے جرم سے باز رکھنے کی ہدایت: سورۃ المائدۃ ۸ میں ہے: ﴿وَلَا یَجْرِمَنَّکُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓی اَلَّا تَعْدِلُوْا﴾

عام فیصلہ وعدالت میں عدل وانصاف کا حکم: سورۃ النساء۵۸ میں ہے: ﴿وَاِذَا حَکَمْتُمْ بَیْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْکُمُوْا بِالْعَدْلِ﴾ سورۃ المائدۃ، ۴۲ ﴿وَاِنْ حَکَمْتَ فَاحْکُمْ بَیْنَهُمْ بِالْقِسْطِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُقْسِطِیْنَ﴾

باغی گروہ اور مرکز گریز عناصر مسلمانوں کے ساتھ ان کی رجعت وانابت کے بعد عدل وانصاف کا فیصلہ: سورۃ الحجرات، ۹ ﴿فَاِنْ فَآءَتْ فَاَصْلِحُوْا بَیْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَاَقْسِطُوْا...الخ﴾

خواتین اور بیویوں کے معاملات طلاق ومعاشرت میں اختلاف ونزاع پر متعدد مدنی آیات کریمہ مختلف حوالوں سے آئی ہیں اور عدل وانصاف کا تقاضا کرتی ہیں۔

عورتوں کے ساتھ نکاح میں عدل وقسط / خاص کر یتیم بچیوں کے باب میں: سورۃ النساء، ۱۲۷ ﴿وَاَنْ تَقُوْمُوْا لِلْیَتٰمٰی بِالْقِسْطِ﴾

طلاق اور دوسرے خانگی معاملات میں اختلاف ونزاع پر گواہی اور عدل کا التزام: سورہ الطلاق، ۲ ﴿وَّاَشْهِدُوْا ذَوَيْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ وَاَقِيْمُوا الشَّهَادَةَ لِلّٰهِ﴾

دوران حج و عمرہ اور بحالت احرام شکار اور قتل مویشی اور ہدی کی قیمت کی تعیین میں عادلوں کی گواہی:

سورۃ المائدۃ ،۹۵ ﴿يَحْكُمُ بِهٖ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ﴾ سورۃ المائدۃ،۱۰۶ ﴿اثْنٰنِ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ﴾

نسب ونسبت خاندانی میں عدل وقسط کا حکم: سورۃ الاحزاب، ۵ ﴿اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ﴾

مالیات / معاشی امور میں اختلاف ونزاع کی صورت میں عدل وانصاف کی تاکید خاص: سورۃ البقرۃ، ۲۸۲ ﴿ذٰلِكُمْ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ وَاَقْوَمُ لِلشَّهَادَةِ﴾

مالی معاملات میں کتابت وتحریر، تجارتی امور میں عدل کا التزام کاتب وولی وغیرہ کے لیے: سورۃ البقرۃ، ۲۸۲ ﴿وَلْيَكْتُبْ بَّيْنَكُمْ كَاتِبٌۢ بِالْعَدْلِ / فَلْيُمْلِلْ وَلِيُّهٗ بِالْعَدْلِ﴾

کفار ومشرکین / غیر مسلموں کے ساتھ عدل وانصاف لازمی اور اس کا معیار وعیار: سورۃ الممتحنہ، ۸ ﴿لَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ﴾

ازواج پر صرفہ کفار کی ادائیگی میں عدل وانصاف اور احسان کی ہدایت: سورۃ الممتحنہ، ۸ ﴿...اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ﴾

بے لاگ قیام عدل نفاذ انصاف کا حکم عامۃ المسلمین کو: سورۃ المائدۃ، ۸ ﴿وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا ؕ اِعْدِلُوْا ۟ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى﴾

امت مرحومہ کو عدل وانصاف کا علمبردار اور اللہ کی جناب میں گواہی کی ذمہ داری: سورۃ النساء، ۱۳۵ ﴿قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ﴾ سورۃ المائدۃ،۸ ﴿كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ﴾[1]

۱۔ مصادر تفسیر وحدیث بالخصوص ابن کثیر وبخاری میں ان آیات کریمہ سے متعلق روایات واحادیث اور ان پر مباحث کے لیے امامان کبیر رازی، طبری وغیرہ کے متعلقہ ابواب۔

مکی ومدنی آیات کریمہ میں ارتباط:

مفسرین کے اختلاف فہم، تفسیری روایات کی کثرت اور متصادم کیفیت اور زمانی وتوقیتی بُعد اور تاریخی اختلاف جیسی چیزوں نے مکی اور مدنی آیات واحکام کے ارتباط میں خاصا ابہام واشکال پیدا کیا اور تنزیل الٰہی اور شریعت ربانی کے معنوی جوہر ووحدت کو نگاہوں سے اوجھل کر دیا۔ اسلامی احکام وتشریعی ہدایات کے تسلسل اور کتب سابقہ کی آیات وہدایات کے تواتر اور ان کے آخری صحیفہ الٰہی سے ارتباط کو بالعموم نہیں سمجھا گیا۔ جن علماء محققین اور مفکرین ومفسرین کی باریک بیں اور حقیقت شناس نظریں تھیں انھوں نے فکر اسلامی کی وحدت وتواتر کی حقیقت خوب سمجھ لی اور اپنی اسلامی بصیرت اور تشریعی تبحر اور دینی وسماجی دور رسی سے اسلامی فکر کے تسلسل وتواتر کے تناظر میں مکی ومدنی آیات کریمہ کا ارتباط بھی جان لیا۔ بلاشبہ بہت سے احکام والتزامات بعد کے مدنی دور میں آئے۔ لیکن ان کی نوعیت وحیثیت توضیحی، تشریحی اور اضافی تھی، اصل جوہری وبنیادی نہ تھی۔[۱] امامان اسلام میں بخاریؒ، شاطبیؒ، رازیؒ، غزالیؒ، ابن کثیرؒ، شاہ ولی اللہ دہلوی جیسے عبقری اکابر نے تواترِ وحدت کی بنا پر مکی دور کے احکام وآیات کو جوہر گردانا۔ دوسرے مسائل ومعاملات سے قطع نظر عدل وانصاف کے اعتبار سے یہ تصور بھی نہیں کیا جاسکتا ہے کہ مکی دور میں امت مرحومہ اور اس کے سید وآقا ﷺ کسی کمتر معیار پر قائم تھے یا عدل وانصاف کے بلند ترین معیار ومثالی عیار پر مدنی دور کی تنزیلات کے بعد فائز ہوئے تھے۔ یہ نقص ونارسائی فہم ہی نہیں نقص ونقصان ایمان ہے۔ تمام انبیائے کرام اور ان کے خاتم وسید ﷺ عدل وانصاف کے اول روز سے پیکر وتمثال تھے اور زمانہ کے انقلابات اور تاریخ کے دھاروں نے اس میں کمی کی تھی اور نہ زیادتی۔ وہ جوہری طور سے عدل الٰہی سے مستنیر اور نبوت ربانی سے مستفیض بلند ترین معیار عدل پر نہ صرف فائز تھے بلکہ بے مثال وبے نظیر تھے۔ ان کے عدل وانصاف اور قسط واحسان سے توکائنات کے تمام ذوی روح ہی نہیں جمادات وبے جان اشیاء بھی اکتساب فیض کرتے تھے اور عالم ملکوت میں ملائکہ اور دوسرے ساکنان پاک عدل وانصاف نبوی اور احسان وکرم رسولی پر حیرت وافتخار کرتے اور اپنی کمتری کا احساس کرتے۔ اس عالم آب وگل میں ابن کثیر جیسے مفسرین وشارحین نے مکی آیات کریمہ کا ارتباط وتعلق معنوی ووحدانی مدنی آیات عدل سے مختلف سورتوں کی آیات میں کیا ہے۔[۲]

۱۔ کتاب خاکسار "مکی عہد نبوی میں اسلامی احکام کا ارتقاء" باب اول۔

۲۔ تفسیر ابن کثیر میں مکی ومدنی آیات کریمہ کے تعلق کے لیے مذکورہ آیات کی تفسیر۔

مکی آیاتِ عدل وانصاف اور مدنی بیناتِ قسط وعدل کا ایک مختصر تجزیہ اس وحدتِ فکر کو اجاگر کر دے گا جو بظاہر دو ادوار میں سے فرق زدہ دکھتا ہے۔ عام عدل وانصاف کی آیات شوریٰ و نحل وغیرہ بلاشبہ مدنی آیات مائدہ ونساء وغیرہ کی بنیاد ونہاد ہیں کہ سب میں آپ کو عدل کا حکم دیا گیا اور کمال کا پیرایہ اختیار کیا گیا کہ آپ کی زبان سے اسے ادا کیا گیا جب کہ اولین مکی آیت کریمہ میں ہے اور دوسری مکی آیات میں وہ حکم الٰہی بن کر اتارا گیا۔ اس طرح عادل وغیر عادل کا موازنہ کرنے پر اول موصوف کو فضیلت عطا کی گئی۔ اور قولی عدل کا اور وہ بھی اپنے عزیزوں اور حبیبوں کے خلاف اور اپنی جانوں کے برعکس حکم دے کر عدالت عام اور عدل مثالی کا معیار قائم کیا گیا جو مدنی آیات میں قوام وشاہد عدل اور قوام وشاہد الٰہی کی صورت میں بیان کر کے توضیح وتشریح کی گئی۔ مکی آیت کریمہ میں ہوائے نفس اور نفسانی خواہش کی بنا پر عدل وانصاف سے گریز واجتناب کرنے کی جو ہدایت دی گئی اس کی وضاحت مدنی آیت میں یوں کی گئی کہ کسی قوم کی دشمنی تم کو عدل وانصاف سے ہاتھ کھینچ لینے کی حرکت وجرم پر نہ اکسائے۔ یہ دشمنی وعداوت تو ہوائے نفس کی ہی صرف ایک صورتِ بد ہے۔ مکی آیت میں وارد لفظ "الھویٰ" ہر قسم کے گریز، بدخصلت اور کجی کو محیط ہے اور اس میں بے جا محبت وخاندان واعزہ کی جانبداری اور طرفداری بھی شامل ہے۔ خاص خاص معاملات معاشرت میں طلاق، تجارت، نکاح وازواج بالخصوص یک زوج یا بالمقابل تعداد ازواج، ناپ تول وغیرہ کے باب میں جو مدنی آیات ہیں وہ خالصتاً مکی آیات پر اضافات بھی نہیں صرف ان ہی کی بازگشت ہیں۔ نسب ونسبت کی بابت مدنی آیت بظاہر نئی اور اضافی لگتی ہے مگر حقیقت میں وہ بھی ان کے دلوں میں بنیادی تھی۔ وحدت فکر واتحاد ہدایت کے لحاظ سے دونوں ادوار کی آیات عدل وقسط مل کر اسلامی عدل وانصاف کا ایک مثالی اور احسانی معیار قائم کرتی ہیں اور اسی کا شاخسانہ تھا کہ اسلام کے دشمنوں نے بھی آپ کے عدل وانصاف کا برملا اعتراف کیا اور اس کو آسمان وزمین کے محور پر قائم رکھنے والا بتایا۔[1]

آیات واحکام عدل کا سیرت نبوی سے ارتباط:

معاندین ومخالفین اسلام اپنی غیر عادلانہ فکر والزام تراشی سے اور ناقصان فہم وجاہلان بے دانش اپنی کم فہمی اور نارسائی سے یہ سوال اٹھا سکتے ہیں کہ قرآن مجید کی ان آیات عدل وانصاف میں ہدایت وحکم کا التزام وذکر ہے۔ ان پر عمل وقیام اور ان کے نفاذ کا اثبات کہاں ہے؟ نظریہ وعمل کے فرق میں مبتلا بھی اسی خلجان میں مبتلا ہو سکتے

۱۔ مذکورہ بالا حواشی وتعلیقات کے علاوہ بعد کے مباحثِ مقالہ میں ان پر بحث ارتباط آتی ہے۔

ہیں لیکن جن کی نظر حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا (کان خلقه القرآن) پر ہے، جو کہ مکی آیت کریمہ کی شہادت ربانی ﴿وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ﴾ کی تفسیر و تعبیر ہے، وہ بخوبی جانتے ہیں کہ امت مرحومہ اور ان کے سید و آقا محمد صلی اللہ علیہ وسلم حکم الٰہی سے سرتابی اور عدم تعمیل کی بات تو بہت دور کی ہے اس پر عمل آوری اور اس کی بجا آوری سے ذرہ برابر بھی کوتاہی نہیں کر سکتے تھے خواہ ان کی جان پر ہی کیوں نہ بن جائے۔ مکی آیت قرآنی کی تفسیر حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا بظاہر مدنی دور کی لگتی ہے لیکن وہ روایت و ترسیل ہی کے اعتبار سے ہے معنوی وحدت کے لحاظ سے وہ مکی قرآن کو بھی اسی طرح محیط ہے جس طرح مدنی آیاتِ عدل سے۔ اور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم اور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی ارتباط مکی و مدنی نبوت عالمگیریت و عدالت سے بھی ملتا ہے۔ منطقی طور سے بھی یہ حقیقت اپنی جگہ ثابت و ظاہر ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جو احکام و ہدایات جناب الٰہی سے ملتی تھیں ان پر آپ کا عمل جاں گسل و جان کاہ ہوتا تھا۔ جس کا ایک اثبات "بَاخِعٌ نَّفْسَكَ" کی آیت کریمہ میں ملتا ہے کہ دعوت وارشاد اور تبلیغ وابلاغ کے احکام الٰہی کی تعمیل میں آپ اپنی جان و دل پر بنا لیتے تھے اور شدت تعمیل اور افراط عمل آوری سے اللہ رب العالمین آپ کو بڑی محبت و عقیدت اور احسان شناسی سے روکتا تھا لیکن آپ کی سرشتِ تعمیل اور فطرتِ بندگی جد امجد حضرت ابراہیم علیہ السلام کی جاں نثاری اور جاں سپاری سے کم نہ تھی کہ بارگاہ رب میں قربانی کے درپے ہو گئے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی جان عزیز کو قربان کرنے کا تہیہ کر لیا تھا۔ سیرت نبوی کے بہت سے واقعات بھی اس کے شاہد عدل ہیں۔[1]

خالص نظریاتی اور منطقی بحث و تمحیص سے عملی طور سے احکام وعدل پر عمل آوری رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا جس طرح اثبات ہوتا ہے اسی طرح آپ کے قول و عمل اور واقعات حیات و سیرت سے بھی ثبوت فراہم ہوتا ہے۔ سیرت نبوی اصلاً اسلامی عدل وانصاف کے قیام و نفاذ کی عملی تفسیر ہے۔ دعوت و تبلیغ اور تعلیم کتاب و دین کا معاملہ ہو یا تزکیہ و تطہیر نفس کا، قرآن کریم واحادیث شریف کی تلاوت کا منصب ہو یا ان کی تشریح و تفسیر کا، آپ کے اپنے خانگی اور شخصی معاملات ہوں یا سماجی و معاشرتی مسائل کے گوناگوں الجھاوے، مالی و اقتصادی امور ہوں یا معاشیات و معیشت کے دقیق و وسیع اختلافات، سیاسی و تنظیمی تشکیل و تعمیر کے مختلف النوع ادارے یا ریاست اسلامی اور حکومت نبوی کے روز افزوں امور یا غیر ملکی حکمرانوں اور ملکی شاہوں سے متعلق تہذیبی اور تمدنی واقعات

۱۔ سورۃ القلم: ۵ کی تفسیر میں حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا کا ارتباط قریب قریب تمام تفاسیر میں ملتا ہے۔

ہوں یا ان کے مراسم و معاملات غرض کہ انسانی معاشرت اور عصری معاملت کا کوئی بھی مسئلہ و معاملہ، رسول اکرم ﷺ نے ان میں عدل وانصاف کا ایک مثالی نمونہ اور عظیم ترین اسوہ قائم فرمایا۔[۱] سماجی عدل وانصاف محض خارج وبیرون میں صراط مستقیم اختیار کرنے کا نام نہیں ہے وہ فرد بشر کے اندرون نفس اور جان وبدن سے شروع ہوتا ہے اور اندرون وبیرون دونوں کو عدالت گستری کی مثالی زنجیر سے خون و گوشت کی مانند باندھ دیتا ہے۔ سیرت نبوی میں بالخصوص اور عہد نبوی میں بالعموم سماجی عدل وانصاف کا تجزیہ و مطالعہ چند عناوین فکر انگیز اور سرنامہ ہائے روح پرور کے تحت کیا جارہا ہے تاکہ معلوم ہوسکے کہ عدل وانصاف محمدی صرف اجزاء فرد وسماج میں جاری وساری نہیں رہا بلکہ پورے معاشرہ وماحول کے رگ وپے میں سرایت کر گیا۔ تب ہی تو وہ خاتم النبیین ﷺ کا مثالی عدل وانصاف معاشرتی کہلایا۔

دینی معاملات میں عدل وانصاف:

تبلیغ و تعلیم وتزکیہ: اپنے فرائض منصبی کی بجاآوری میں سید المرسلین نے عدل وانصاف کا مثالی معیار قائم فرمایا اور بلا اختلاف رنگ و نسل اور بلا تمیز علاقہ و قوم اور بلا تفریق سماجی واقتصادی ہر شخص اور طبقہ کے سامنے تلاوتِ کتاب اور تبلیغ حق کے ذریعہ اللہ کی طرف بلایا اور ان سے قبول اسلام کا شرف پانے والوں کو بلا کسی امتیاز تعلیم وتزکیہ کا فرض نبھایا اور تمام انسانیت بلکہ سارے عالموں کے لیے رحمت الٰہی (رحمۃ للعٰلمین) ہونے کا عملی اثبات فرمایا۔ سید المرسلین کا دعوت و تبلیغ اور تعلیم وتزکیہ کا طریقہ اقدامی وحرکی تھا آپ بنفس نفیس مدعوین کے پاس جاتے اور ہر مقام و محل میں اور ہر آن وہر وقت میں اپنے فرائض منصبی پوری جاں کاہی سے انجام دیا کرتے۔ طالبین حق ومتلاشیان دین جناب رسالت وخدمت نبوی میں حاضری دیتے تو ان کا اکرام واعزاز فرماتے اور ان کی طلب کے مطابق عطا فرماتے۔ اس ہمہ وقتی اور ہمہ جہتی دعوت وارشاد کے پیہم تقاضوں کو پورا کرنے میں اپنی ذات کا آرام تو تج ہی دیتے، مناجات رب کا وقت بھی کم کر دیتے اور اس کا مطالبہ راتوں کی عبادتوں اور شب گذاریوں سے پورا کرتے جس کا بڑا دل آویز ذکر سورہ مزمل وانشراح وغیرہ میں خود رب ذوالجلال نے کیا ہے۔ دعوت و تبلیغ اور تعلیم وتزکیہ کے مکی اور مدنی ادوار میں وحدت ویکسانی رہی۔ طریق وانداز بھی یکساں رہے اور تسلسل وتواتر بھی قائم رہا۔[۲]

۱- سماجی عدل وانصاف کے ابواب وجہات بہت وسیع ہیں، مذکورہ بالا صرف چند موضوعات عام واہم ہیں۔

۲- ملاحظہ ہو مقالہ خاکسار "مدنی زندگی میں دعوت نبوی۔۔۔ مزاج ومنہاج" دعوت، نئی دہلی خاص شمارہ، حیات طیبہ کا دعوتی پہلو، مارچ ۲۰۱۳ء۔

ظاہر بیں نگاہوں اور کم فہم سیرت نگاروں اور حقیقت ناآشنا مورخوں کو جو شکوہ وشکایت کا موقع ملا، وہ انکی اپنی کج فہمی کا پیدا کردہ تھا۔ عدل تبلیغ وتعلیم کے باب میں چند خاص جہات کو مد نظر رکھنا ضروری ہے ورنہ کج فہموں اور نارسا ذہنوں کی طرح حقیقت او جھل رہے گی۔

بعض روایات واحادیث سے یہ غلط فہمی پیدا کردی گئی کہ دوسرے انبیائے کرام کی طرح سید المرسلین ﷺ پر اول اول ایمان لانے والے غریب غرباء اور سماج کے ٹھکرائے ہوئے طبقات کے غلام وموالی اور بے کس ونادار لوگ تھے۔ یہ یک رخی تصویر کشی اور جزوی بیانیہ ہے۔ سید المرسلین ﷺ کے اولین جاں نثاروں اور مومنوں میں دونوں اعلیٰ وادنیٰ طبقات وافراد بھی تھے اور خاندانی شرفاوسادات کے نونہال بھی۔ اولین سابقین میں حضرت خدیجہ بنت خویلد اسدی، ورقہ بن نوفل اسدی، آل یاسر اور عظیم المرتبت خواتین زنیرہ ولکیبہ وبرکہ وغیرہ تھیں۔ یہ سید المرسلین کی ہمہ گیر دعوت وتعلیم کے گلہائے سرسبد تھے جو تمام طبقات معاشرہ وقوم کی نمائندگی کرتے تھے اور ان میں قریشی اور مکی اصل کے مسلمانان مکرم کی مانند موالی وحلفاء کے طبقات آفاقی بھی برابر کے شریک تھے کہ ناوکِ نبی نے کسی صید کو نہ چھوڑا تھا زمانے میں۔ (1)

عبد المتعال صعیدی جیسے جدید تجزیہ نگاروں کا نظریہ کہ اولین مسلمانانِ مکہ سب کے سب نوخیز ونوجوان تھے اس لیے اسلام جوانوں کی تحریک تھی جزوی طور سے صحیح ہے کہ ممتاز افراد اور مشہور صحابہ میں اکثریت جوانوں کی تھی لیکن کلی حقیقت یہ ہے کہ ان میں پختہ عمر کے افراد بھی متعدبہ تعداد میں تھے اور متعدد شیوخ

۱۔ اصلاً یہ حدیثِ ہرقل (دربار ہرقل میں حضرت ابوسفیان اموی کی حدیث) میں شاہ روم کے ایک تبصرہ پر مبنی تاثر ہے کہ تمام انبیائے کرام کے اولین پیرو نادار ہوتے رہے ہیں۔ مونٹگمری واٹ، محمد ایٹ مکہ، آکسفورڈ پریس، لندن، ۱۹۵۳ء نے سابقین اولین کے خاندانی تجزیہ میں مکہ مکرمہ کے تمام شریف خاندانوں کے نوجوانوں کے قبول اسلام کا ذکر کیا ہے اور خاصا واقعاتی تجزیہ کیا ہے۔ اس کے ساتھ کمزور طبقات کے سابقین کا بھی موزوں بیان پیش کیا ہے۔ بعض دوسروں کے ہاں بھی اس کا اشارہ ملتا ہے لیکن معمر، عمر رسیدہ اور پکی عمر کے سابقین وسابقات کا ذکر ان کی عمروں کے حوالے سے سب نے گریز کیا ہے۔ بیشتر نے تو اس کا حوالہ ہی نہیں دیا۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اور ان کے معمر عزیز حضرت ورقہ بن نوفل اسدی رضی اللہ عنہ جیسے بزرگوں مثلاً عبیدہ بن حارث مطلبی اور ان کے برادروں کا ذکر خیر ندارد ہے یا ناکافی۔ سابقین اولین کے قبول اسلام کے وقت ان کا سن متعین کرنے کی ایک سماجی تحقیق ابھی تک باقی ہے۔ صرف ایک مثال اس کی اہمیت بتانے کے لیے کافی ہے حضرت عبد الرحمن بن عوف زہری رضی اللہ عنہ اور ان کے طبقہ کے کئی صحابہ وسابقین قبول اسلام یا ہجرت مدینہ کے وقت کافی پختہ عمروں کے تھے لیکن ان کا ذکر بھی نہیں آنے دیا جاتا۔

وبزرگان قوم کے مرتبہ کے تھے۔ حضرت عبیدہ بن الحارث مطلبی اور ان کے برادران کرام اور خاندان مظعون کے متعدد سابقین بزرگ طبقات کے تھے۔ حضرت خدیجہؓ اور ان کے عزیز وخاندانی حضرت ورقہ بن نوفل وغیرہ تو اپنے سید وداعی وآقا سے زیادہ عمر رکھتے تھے۔ (۱)

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے اولین شوہر کے فرزندوں میں ہالہ اور ہند فرزندانِ ابی ہالہ تمیمی اور بعض موالی نبوی بھی خاصی عمروں کے افراد تھے۔ سماجی اختلاف دینی کے لحاظ سے یہ تجزیہ بھی اہم ہے۔

دعوت و تبلیغ و تعلیم وتزکیہ کے باب میں عدل وانصاف نبوی کا ایک دلچسپ اور اہم زاویہ سورہ عبس کی آیات اولین میں آیا ہے۔ ابتدائی آیات کریمہ میں بظاہر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جناب الٰہی سے سرزنش وتنبیہ کا پہلو نکالا گیا ہے کہ آپ نے ایک نابینا سے اعراض فرمایا اور سادات قوم پر توجہ مرکوز رکھی مگر وہ دراصل ترجیح کار کا معاملہ تھا۔ خیال خاطر نبوت میں یہ حقیقت پیوست اور خواہش گھر کر گئی تھی کہ اکابر وسادات قوم کی دین پناہی سے پوری قوم کی کایاپلٹ ہو سکتی ہے کہ عوام اپنے خواص کے اور قبائل اپنے مشائخ کے زیر اثر آتے ہیں اور ان کی راہ پر چلتے ہیں اور اکابر قریش کی طرف توجہ عالی میں خلل پڑنے سے خاطر عاطر میں ناگواری کا شائبہ جھلک آیا کہ وسیع وموثرترین ذریعہ ہاتھ سے نکل گیا۔ اللہ تعالیٰ نے تبلیغ ودعوت اور تعلیم وتزکیہ کے باب میں طلب حق کو ترجیح دی اور استعفادہ اور گریز اکابر کی مذمت کی۔ یہ ظاہری اور حقیقی ترجیح کا معاملہ تھا اور عدل وانصاف کے خلاف نہ تھا اور اگر بفرضِ روایات تھا بھی تو اس کی تصحیح کرکے طلب حقیقی کو معیار بنانے کا اسوہ اپنالیا گیا۔ غالباً اسی تنبیہ وتذکیر الٰہی کا نتیجہ تھا کہ نابینائے قوم اور بینائے اسلام حضرت ابن ام مکتوم جمحیؓ کو سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے امامت کبریٰ کا مقام دیا تھا۔ دینی معاملات اور تشریعی امور میں نہیں ریاستی اور تنظیمی معاملات میں بھی ان کو نائب الرسول اور خلیفۃ النبی کے مرتبہ پر فائز کیا اور اپنے بزرگ ترین اور سابقین اولین پر بھی ان کی فضیلت وامامت ثابت کردی۔ حضرت ابن ام مکتومؓ کی سیرت وسوانح کا مطالعہ اس زاویہ سے بھی کرنا ضروری ہے۔ (۲)

۱- عبد المتعال صعیدی، الشباب فی العہد السری للاسلام، قاہرہ، ۱۹۶۰ء۔ کا تجزیاتی مطالعہ مختصر بھی ہے اور سرسری بھی۔ ان کے ہاں سابقین اولین میں نوجوانوں کی عمروں کی تعیین میں خاصی جلدبازی اور عجلت کا پتہ چلتا ہے اور متعدد روایات میں محاکمہ وتجزیہ کا فقدان بھی ہے۔ وہ کم سے کم عمروں کو قبول کرنے میں صرف اپنے نظریہ کے اثبات کے لیے کوشاں نظر آتے ہیں اور پختہ عمروں کے صحابہ وصحابیات کا تذکرہ نظر انداز بھی کرتے ہیں۔

۲- ابن کثیر، القرآن العظیم، سورۃ العبس کی روایات اور دوسری کتب ماثورہ میں ان کا بیان اور ان پر جدید مفسرین کرام کی آرا خاص نقطہ ہائے نظر پیش کرتے ہیں۔ مثلاً بخاری / فتح الباری، کتاب التفسیر، سورہ عبس، ۶۹۲ – ۶۹۳ / ۸ میں حافظ ابن حجر

دینی اور سماجی عدل وانصافِ نبوی کا ایک سلسلہ زریں واقعات سیرت و تاریخ اسلام میں نظر آتا ہے۔ اس کے چند نمونے بطور مثال حاضر ہیں:

سابقین اولین کی خاطر داری اور ان کی سماجی و دینی مرتبت وجلالت کی حفاظت کی خاطر آپ ﷺ نے حضرت صدیقِ امتؓ کو کہ خیر البشر کے بعد بالاتفاق خیر الصحابہ ہیں حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ اور ان کے کمزور سماجی مرتبہ والے صحابہ سے معافی طلبی پر مجبور کیا تھا کہ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے ایک عظیم ترین سردار قریش کے باب میں ان کے اسلامی جذبات وکلمات پر نقد کر کے بے ادبی کی تھی۔ ان کی ناراضی کو ناراضی رب بتا کر حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کو معافی مانگنی اور معذرت کرنی پڑی۔ [1] مگر یہی صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تھے جن کو آپ ﷺ نے اپنی آخری بیماری میں امامت نماز و امامت کبریٰ کے لیے پورے جزم وعزم کے ساتھ متعین فرمایا تھا۔

شیخین کریمین کے بعض سماجی اور شخصی اختلافات میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو حضرت صدیق رضی اللہ عنہ سے معذرت کرنے پر صرف اس لیے مجبور کیا کہ وہ عظیم ترین جاں نثار اور محبوب ترین صحابہ کی شان والا اور

نے شرح حدیث و آیت میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی ایک حدیث ترمذی وحاکم اور ابن حبان وغیرہ کی مختلف سندوں سے یہ نقل کی ہے کہ یہ سورۃ نابینا حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی۔ انھوں نے رسول اکرم ﷺ سے عرض کیا: یارسول ارشدنی (مجھے ہدایت دیجیے) اور نبی ﷺ کے پاس ایک عظیم مشرک از سادات (عظمائے مشرکین) بیٹھا تھا۔ نبی ﷺ نے ان سے اعراض کیا اور موخر الذکر پر توجہ مرکوز رکھی اور یہ فرماتے رہے: کیا تم کو میری بات میں کوئی قباحت نظر آتی ہے اور وہ کہتا رہا: نہیں نظر آتی:۔۔(أترى بما أقول بأسا فيقول لا فنزلت عبس وتولى)۔۔۔ عبد الرزاق نے اس عظیم مشرک کا نام ابی بن خلف بتایا ہے اور سعید بن منصور نے اس کا بھائی امیہ بن خلف قرار دیا ہے۔ جبکہ ابن مردویہ کے مطابق وہ فرزندان ربیعہ عتبہ وشیبہ مخاطبین نبوی تھے۔ عوفی نے ابن عباس کی روایت میں کہا ہے کہ وہ تین تھے: عتبہ، ابو جہل اور عیاش۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی دوسری روایت میں ہے کہ خدمت نبوی میں اس وقت مشرکین کے اکابر موجود تھے جن میں عتبہ اور ابو جہل بھی تھے اور یہ تمام اقوال کا جامع ہے۔ اس تفصیل سے متعدد جہات دعوت کا علم ہوتا ہے اور دینی تبلیغ واشاعت میں سماجی انصاف وعدل کی وسیع ترین جہت واضح ہوتی ہے۔ مزید جہات پر بحث کا موقع یہاں نہیں ہے۔

۱- بحث کے لیے کتاب خاکسار: "عہد نبوی کے اختلافات۔۔۔ جہات، نوعیتں اور حل"، دار النوادر، لاہور ۲۰۱۴ء، ص ۱۴۹-۱۵۰ بحوالہ بخاری / فتح الباری، ج۸، ص ۷۵-۷۱ ومابعد: کتاب المغازی، باب بعث النبی ﷺ خالداً۔

خیال وخاطر کے منافی تھا۔ حالانکہ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کو خود اعتراف تھا کہ زیادتی ان کی تھی۔ سماجی مرتبت کا تحفظ اور مقام و مرتبت صحابیت کا دفاع وبقا بھی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا دینی عدل وانصاف کا ایک خاص زاویہ ہے۔ (۱)

اپنی انّا اور باندی حضرت ام ایمن برکہ حبشیہ رضی اللہ عنہا سے سید المرسلین کا تعلق خاطر اور حسن سلوک اور مادر مہرجان کا درجہ عطا کرنا اس سماجی دینی عدالت گستری کا ایک اظہار تھا اور ایسی کنیزان وبندگان عالی مقام کے دینی وسماجی مرتبہ ومقام کی درجہ بندی وحفاظت بھی اس کا عطیہ تھا۔ (۲)

مکی دور نبوی کے وسط میں مظلوم ومقہور صحابہ وصحابیات کی حفاظت وجوار کے لیے خود مکی اشراف واکابر سے جوار وپناہ کی فراہمی عدل سماجی کی بنا پر تھی۔ بنفس نفیس آپ نے قریش کے ایک سردار مطعم بن عدی نوفلی سے جوار طلب کی تھی۔ یہ عرب جاہلی روایت تحفظ، ابراہیمی طریقت اور اسلامی سنت تھی جو سماجی انصاف دلاتی تھی۔ (۳)

اشراف خاندانوں کے افراد وطبقات اسلامی کے تحفظ ودفاع کے لیے آپ نے ایک عیسائی بادشاہ، نجاشی حبشہ، کی عدل گستری کی بنا پر ہجرت کی اجازت ہی نہیں دی بلکہ اس کا انتظام بھی کیا اور شاہ نجاشی کو خطوط ومراسلات بھیج کر ان کے قیام وسکونت کو آرام دہ بنایا۔ اختلاف مذہب ودین کے باوجود سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ حقیقت بیں

۱- مذکورہ بالا کتاب اختلاف میں شیخین کریمین کے اختلاف پر ایک تجزیاتی فصل، ملاحظہ ہو: ص ۱۳۰-۱۲۷۔ اس کا خاص ماخذ بخاری کی احادیث: ۳۶۷۰-۳۶۶۷ وغیرہ کے علاوہ اصلاً محمد بن اسماعیل بخاری، **الجامع الصحیح المختصر**، دار ابن کثیر، الیمامۃ، بیروت، الطبعۃ الثالثۃ ۱۴۰۷ء، کتاب الجنائز، باب الدخول علی المیت، باب فضل ابی بکر وغیرہ اور اس کی تشریحات ابن حجر ہیں۔

۲- اراضی کے باب عطا وواپسی میں اس کا ذکر وحوالہ آتا ہے۔

۳- جوار وتحفظ حاصل کرنے اور مشرکین اور معاندین اسلام کے زیر سایہ بہ حفاظت زندگی بسر کرنے اور دین حق کے لیے مساعی کرنے کا ایک خاص زاویہ حکمت نبوی تو ہے ہی، مگر وہ سماجی عدل وانصاف کے ایک مسلمہ قانون جاہلی سے استفادہ اور اس کے ذریعہ سابقین اور معذورین کی حفاظت مال وجان کا ایک سماجی عادلانہ طریق بھی ہے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے مکی اور مدنی ادوار میں بھرپور فائدہ اٹھایا تھا اور صحابہ کرام کو سماجی انصاف کا ذائقہ چکھایا تھا۔ بحث مفصل کے لیے ملاحظہ ہوں: مقالات خاکسار "عہد نبوی میں سماجی تحفظ کا نظام" تحقیقات اسلامی علی گڑھ، اکتوبر-دسمبر ۲۰۰۲ء؛ عظیم صحابیہ ام عبیسؓ، جہات الاسلام لاہور، جنوری-جون ۲۰۱۴ء؛ نیز مکی اسوہ نبوی کے متعلقہ مباحث۔

میں عدل وانصاف سماجی کی رفعت ومنزلت اس واقعہ سے ثابت ہوتی ہے۔ مکہ وقریش اور عرب کے دوسرے عادل شاہوں اور معدلت گستر سادات ومشائخ سے ارتباط وتحسین نبوی کا موضوع ابھی تک تحقیق طلب ہے۔(۱)

خانگی زندگی میں عدل وانصاف نبوی ﷺ:

بعثت سے قبل حضرت خدیجہ بنت خویلد اسدی رضی اللہ عنہا سے آپ کی شادی کے دو معدلت گسترانہ پہلو بہت اہم ہیں۔ ایک یہ کہ اپنے سے پندرہ سالہ زیادہ عمر کی ایک مطلقہ / بیوہ خاتون سے بیاہ کیا اور ان کی پوری زندگی میں پندرہ سال قبل بعثت اور دس سال بعد نبوت دوسری شادی نہ کی جبکہ قریشی وعرب روایات معاشرت میں کثرت ازواج ایک مقبول ومحبوب روایت ہی نہیں بلکہ سماجی بلند مرتبتی کی علامت تھی۔ دوسرے یہ کہ نہ صرف اپنی زوجہ واحدہ کے ساتھ مثالی محبت واحترام بھری زندگی گزاری اور ان کے حقوق وفرائض ادا کیے بلکہ ان کے سابقہ ازواج کی اولاد کو اپنے ساتھ رکھا اور پالا پوسا اور ان کی تعلیم وتربیت کی۔ حضرات ہالہ بن ابی ہالہ اور ہند بن ہالہ فرزندان ابوہالہ تمیمی اور ہند بنت عتیق مخزومی رضی اللہ عنہ کو ایمان، علم اور اخلاق اور مکارم کی تعلیم دی اور سابقین اولین میں شمولیت کا شرف بخشا اور پھر ساری زندگی ان کی کفالت کی۔(۲)

کفالت وتربیت میں عدل گستری نبوی کا ایک معاملہ حضرت علی بن ابی طالب ہاشمی رضی اللہ عنہ کو اپنی کفالت میں لینے کا واقعہ ہے اور وہ احسان کے بدلے احسان کے حکم ربانی اور مروت عرب کے مطابق صرف اس لیے پیش آیا تھا کہ کبھی ابوطالب عم مکرم نے آپ کی کفالت کا شرف پایا تھا اور ان کی کسمپرسی اور مالی بدحالی کے زمانے میں

۱۔ ہجرت حبشہ پر بحثِ مصادر کا ایک تجزیاتی مطالعہ "مکی اسوہ نبوی" کے باب دوم میں آیا ہے اور مقالہ خاکسار "اسلام کی حفاظت واشاعت میں نجاشیؓ کا کردار" تحقیقات اسلامی علی گڑھ، جنوری-مارچ ۲۰۱۵ء اس پر مزید بحث پیش کرتا ہے۔ ابھی حبشہ کی اسلامی امت اور ان کے اثرات پر تحقیق باقی ہے اور حضرت نجاشی رضی اللہ عنہ سے رسول اکرم ﷺ کے مراسلات وفرامین کا مطالعہ بھی ادھار ہے۔

۲۔ طبقات ابن سعد کی مختلف جلدوں میں ربائب نبوی ﷺ پر روایات ملاحظہ ہوں۔ خاکسار کی مختلف تحقیقات میں ان پر بحث آئی ہے جیسے عہد نبوی میں تنظیم ریاست وحکومت کے باب دوم میں ان کی تربیت وپرورش اور قبول اسلام کے حوالے سے۔ اس موضوع ربائب پر کئی مطالعات آچکے ہیں لیکن ایک بھرپور تحقیقی دفتر کی ضرورت ابھی باقی ہے۔

ان کے فرزندان خاص کی کفالت و تربیت کر کے پرانا قرض چکا دیا۔ اسی تربیت نبوی نے کمسن و کمزور بچے کو شیر خدا بنایا اور اپنی چہیتی دختر حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کا ان سے عقد کر کے اہلبیت میں شامل کر کے وہ مقام و مرتبہ عطا کر دیا جو حضرت عثمان بن عفان اموی کو ذوالنورین بنا کر دیا گیا اور حضرت ابو العاص بن ربیع عبشمی رضی اللہ عنہ کو اسی طرح اہل بیت میں شامل کر لیا گیا۔ (۱)

بقیہ ازواج مطہرات سے نبوی نکاحوں اور شادیوں کا معاملہ بھی سماجی عدل و انصاف کا ایک اعلیٰ اسوہ اور قابل تقلید نمونہ عالم انسانیت کے لیے ہے۔ حضرت سودہ بنت زمعہ عامری رضی اللہ عنہا سے شادی اپنی خانگی طمانیت اور خاندانی ضرورت کے ساتھ حضرت ام المومنین کے انتخاب میں ان کی ''رعایات'' میں موجود تھی۔ ایک یہ کہ وہ ایک محبوب اور مہاجر صحابی کی بیوہ تھیں اور مہاجرتِ حبشہ کے علاوہ فرقت شوہر کی گزیدہ تھیں اور ان کے اندرونی زخموں کا اندمال کرنا مقصود تھا دوم ان کی ماں شموس خاندان بنو النجار / خزرج کی دختر تھیں جو جد امجد عبد المطلب ہاشمی کا مادری خاندان / ننہال / اخوال تھا اور عرب روایات میں قریب ترین اور عزیز ترین رشتہ۔ سوم سودہ بنت زمعہ عامری رضی اللہ عنہا اپنی صفات ستودہ کی بنا پر ام المومنین کے اعزاز کی مستحق تھیں اور ان کا بر ملا اظہار بعد کی زندگی میں ہوا۔ دوسری امہات المومنین میں حضرت حفصہ بنت عمر رضی اللہ عنہ خطاب عدوی اور حضرت عائشہ بنت ابو بکر تیمی کا خاص سبب نکاح اپنے شیخین کریمین اور صاحبین عظیمین کی سماجی اور دینی منزلت اور شخصی توقیر و تعظیم میں اضافہ کے ساتھ ان کو اہلبیت میں شامل کرنا بھی تھا۔ وہ محبت و شیفتگی شیخین کی عدل گسترانہ جزا تھی۔ حضرت جویریہ بنت حارث خزاعی رضی اللہ عنہا اور حضرت صفیہ بنت حیی نضری رضی اللہ عنہا سے ازدواج نبوی کا بابرکت سبب ان کی تالیف قلوب اور توقیر شخصی کے علاوہ ان کی قومی منزلت کی رفعت بھی تھی، ان کی قوم بالخصوص اول الذکر کے تمام قیدی اور غلام و باندی صرف ازدواج نبوی کے سبب آزادی، حریت کے علاوہ منزلت دینی سے ہمکنار ہوئے۔ اسی طرح دوسری ازواج مطہرات سے ازدواج نبوی کی معدلت گسترانہ وجوہ تھیں۔ ورنہ صرف نکاح و شادی کا مقصود مد نظر ہوتا تو ان کی شادیاں کہیں اور کرائی جاسکتی تھیں۔ شرف ام المومنین کی عطا و کرم آپ کے احسان آمیز عدل و توقیر کی دلالت تھی۔ (۲)

۱۔ ابن ہشام، ج ۱، ص ۱۶۲-۱۶۱: قبول اسلام موصوف کی بحث میں تفصیل ہے اور اس کی مزید شرح سہیلی، ج ۱، ص ۴۲۶ ومابعد میں ہے۔

۲۔ ازواج مطہرات کے ساتھ رفاقت نبوی کی بحث سید سلیمان ندوی کی سیرۃ عائشہ کے حسن معاشرت کے باب میں عمدہ، تجزیاتی اور اہم ترین ہے۔ تمام مصادر سیرت میں ازواج مطہرات کے ابواب خاص کر ابن اسحاق، ابن ہشام، سہیلی، بلاذری /

آپ نے مکی زندگی میں جس طرح نوجوان ہوتے ہوئے ایک عمر رسیدہ خاتون سے شادی کی تھی اسی طرح دوسرے نوجوانانِ اسلام ومکہ اور بعد میں جوانانِ مدینہ کی شادیاں معمر خواتین سے کی تھیں یا ان کی ترغیب وتحریک کی تھی۔ ان میں ایک شادی اپنے نوجوان چہیتے صحابی اور مکی دور تک لے پالک (متبنیٰ) حضرت زید بن حارثہ کلبی رضی اللہ عنہ کی اپنی بوڑھی اور چہیتی انا حضرت برکہ حبشیہ رضی اللہ عنہا سے تھی اور ان سے حضرت اسامہ بن زید کلبی رضی اللہ عنہ فرزندِ اسلام ملت کو ملے تھے۔ یہ نبوت کے بعد کا واقعہ ہے کہ ایک جنتی خاتون کی بشارت پر حضرت زید رضی اللہ عنہ آپ کے متبنیٰ نے نکاح کر لیا تھا۔ اس کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ دولہا تو آپ کا لے پالک تھا اور دوسری طرف دولہن کو آپ اپنی ماں کا درجہ دیتے اور اہلبیت / خاندان کا بقیہ بتاتے تھے۔ قبل بعثت آپ نے اپنی ماں جیسی انا برکہ کی شادی یثرب کے ایک شیخ ومعزز فرد عبید سے کی تھی جن سے ایک فرزند ایمن پیدا ہوئے تھے اور اسی فرزند نے ان کو ام ایمن کی کنیت سے شہرت عام اور بقائے دوام عطا کیا۔

خاندانِ رسالت میں حضرت زبیر بن عبد المطلب ہاشمی رضی اللہ عنہ کی دختروں کی شادیاں آپ نے بطور امام المسلمین اور ولی خاندان زبیری کی تھیں اور ان میں سے بعض کی شادیاں جلیل القدر صحابہ کرام میں سے معمر اور آفاقی حضرات سے کی تھیں۔ شادی بیاہ میں یہ معدلت سماجی بہت اہم تھی۔

بالعموم حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے شادی مبارک کو ایک سماجی مسئلہ بتایا جاتا ہے لیکن عرب روایات میں اور اسلامی اقدار میں کم عمر بچیوں اور نوخیز لڑکیوں سے شادی کا رواج عام تھا اور وہ سماجی مصالح سے بھی ہوتا تھا اور سماجی انصاف کی وجہ سے کمسن لڑکیوں سے شادی کو انمل اور بے جوڑ بتانے والے عمر رسیدہ اور پختہ عمر خواتین سے نوجوانوں کے نکاحوں اور رشتوں کی خاص کر بیواؤں سے شادی کی تعریف کرتے نہیں تھکتے۔ لیکن بے جوڑ عمر کے لحاظ سے وہ بھی تھیں۔ عمر کے تفاوت کو سماجی عدل کے میزان نے بہر حال مٹا ڈالا۔[1]

ازواج مطہرات کے ساتھ کاشانہ نبوت میں بامسرت وشادمانی اور بہ توقیر واکرام ازدواجی زندگی گزارنے کا اسوہ کاملہ ایک ناممکن کو ممکن اور قابل عمل وتقلید بنانے کا واقعہ ثابتہ ہے اور اس سے زیادہ خانگی عدل اور ازدواجی

انساب الاشراف، ابن سعد جلد ہشتم میں بھی ہیں، خاکسار کے مطالعات سیرت میں "رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور خواتین - ایک سماجی مطالعہ"، "عہد نبوی کے اختلافات" اور "عہد نبوی کا تمدن" سماجی خانگی عدل کے واقعات سے سرشار ہیں۔

۱- خاص وتجزیاتی بحث کے لیے مذکورہ بالا کتاب خاکسار "رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور خواتین" کے مختلف ابواب ومباحث۔

انصاف کا مثالی نمونہ بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب و آخری رسول اکرم ﷺ کو ازواج کے معاملہ میں کسی طرح پابند نہیں فرمایا تھا کہ جسے چاہیں قریب رکھیں اور جسے چاہے دور رکھیں۔ لیکن آپ نے سماجی انصاف کی مشکل ترین جہت میں عدالت و انصاف اور احسان و محبت اور سلوک و رویے میں جو معیار قائم فرمایا وہ بشری طاقت کے پرے ہے۔ لیکن برداشتِ پیغمبرانہ کے ماتحت ہے۔ آپ نے تمام ازواج مطہرات سے یکساں عدل گسترانہ سلوک تا زندگی فرمایا حتی کے خانگی چپقلش بھی اس پر اثر انداز نہ ہو سکی۔

۱-تمام ازواج مطہرات کا مہر یکساں رکھا۔ ۲-سب کے نکاح پر ولیمہ کا ایک جیسا انتظام فرمایا، حضر اور قیام میں روایات عرب و اسلام کے مطابق اور سفر و حرج میں حالات کے موافق۔ ۳ -سب کو یکساں نان و نفقہ عطا کیا اور ان کے لیے یکساں قسم کے الگ الگ حجرے تعمیر کیے۔ ۴-سب کو برابر کے تحائف و عطایا فراہم کرتے۔ ۵-سب کی یکساں باری مقرر کی۔ ۶-روزانہ عصر کے بعد سب کے ساتھ مشترکہ مجلس ازواج میں برابر شریک ہوتے اور سب کو ایک سلک محبت میں پرو دیا کرتے۔ ۷-روزانہ صبح کو سب کے حجروں سے گزرتے اور ان کو سلام کرتے اور خیریت پوچھتے۔ ۸-تکلیف و مرض اور پریشانی میں سب کا برابر ساتھ دیتے اور دکھ بانٹتے۔ ۹-صحابہ کرام بالخصوص پڑوسی انصاری و مہاجر اکابر سے آنے والے خوان ہائے نعمت میں سب ازواج کے گھروں میں برابر کھانا اور دوسری اشیاء بھجواتے۔ ۱۰-حضرت عائشہ صدیقہؓ کی باری پر خانہ صدیقہ میں خوان ہائے نعمت اور ہدایا کی جھڑی لگ جاتی تو ان میں مالکہ کے ہاتھوں سب کے حصے برابر کر کے بھجواتے۔ ۱۱-ازواج مطہرات میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون و محبت اور اعانت و امداد کی جبلت پیدا کر دی اور وہ ایک دوسرے کے گھروں میں کھانے اور ہدیے بھیجا کرتیں۔ ۱۲- ان میں سے ہر ایک کے مقام و مرتبت، عزت و منزلت اور خاندانی عظمت و شخصی شرافت کا تحفظ فرماتے اور سوتیا چاہ کی پیدا کردہ ناروا باتوں پر سرزنش فرماتے اور قصور و زیادتی پر معذرت کے علاوہ بدلہ دلواتے اور اس میں حکمت و محبت کا شیرہ گھول دیتے۔ خود بھی ان کی رفعت و منزلت کا معدلت گسترانہ لحاظ کرتے۔ ازواج مطہرات کے ساتھ حسن معاشرت کا نبوی وتیرہ ایک الگ جہان عدل و احسان ہے اور اس کی نیرنگیوں کا احاطہ کرنا قصور وار فہم کا عجز ہی ہے۔ نبوی معدلت گستری کی شہادت خود آپ کی ایک حدیث شریف سے

ہوتی ہے کہ بارالہا! جو میرے بس میں تھا وہ میں کر گزرتا ہوں اور جو میری بساط کے باہر ہے اور دل کی لگی ہے اس پر تیرا قبضہ ہے اور اس میں تو میری مدد فرما۔ (۱)

کاشانہ نبوت میں ازواج مطہرات کے ساتھ دوسرے افراد واشخاص بھی سایہ رحمت وعدالت میں زندگی گزارتے تھے۔ ان کے ساتھ سلوک عدل کا ایک مختصر گوشوارہ چند سرناموں کے تحت پیش ہے:

ربائب نبوی:

سابقہ شوہروں سے مختلف ازواج مطہرات کی اولاد امجاد ربائب نبوی کے نام وشرف سے متصف تھی۔ ان کی دو قسمیں تھیں: ایک نابالغ اولاد، دوسرے بالغ افراد۔ رسول اکرم ﷺ نے اپنی حقیقی اولاد کی طرح ان کی کفالت وسکونت کا انتظام فرمایا۔ دونوں میں سگے اور سوتیلے کے فرق کو کسی طرح راہ نہ دی۔ نابالغ اور کمسن بچے بچیاں اور اپنی ماؤں کے ساتھ اپنے اپنے حجرات میں قیام پذیر رہے اور بالغ، پختہ عمر کی اولاد کی مانند ربائب کے بھی ایسے افراد کو الگ مکانوں میں رکھا اور ان کی کفالت کی، گذارے کے لیے یکساں نان ونفقہ دیا اور ان کی تعلیم وتربیت مساوی انداز سے کی اور ان کی شادیاں بھی اسی طرح عادلانہ فرمائیں۔ (۲)

موالی:

اس طبقہ نبوی میں غلام اور باندی بھی تھے اور غلامی کے بندھن سے آزاد مگر رشتہ ولاء نبوی میں بندھے موالی بھی تھے۔ آپ نے ان دونوں طرح کے موالی نبوی کی کفالت وپرورش اور پرداخت اور تعلیم وتربیت کے ازواج واولاد کی طرح انتظامات فرمائے۔ یکساں نان ونفقہ اور سکونت کے علاوہ ان کی شادیاں کیں اور ان کی اولاد کو مانند حفید (پوتا) سمجھا۔ حضرت اسامہ بن زید بن حارثہ کلبی رضی اللہ عنہ اور ان کی ماں اور ماں جائے بالترتیب حضرت ام ایمن اور حضرت ایمن رضی اللہ عنہ کے ساتھ نبوی سلوک عدل وانصاف سے بڑھ کر احسان ورحمت اور کرم گستری کا ہے۔ ہالہ بن ابی ہالہ تمیمی اور ان کے برادر حقیقی کی کفالت وتربیت معدلت محمدی کا ثبوت ہے اور اسی نے ان کو "وصاف نبوی" بنایا تھا۔ (۳)

۱۔ مذکورہ بالا حاشیہ اور اس کے مصادر وکتب دعائے نبویؐ کے لیے ملاحظہ ہوں۔

۲۔ ربائب پر بحث وحوالہ گزر چکے ہیں۔

۳۔ ابن سعد، ابن اسحاق / ابن ہشام اور بلاذری / اشراف وغیرہ میں موالی نبوی پر مباحث ملاحظہ ہوں اور تجزیہ وتحقیق کے لیے کتب خاکسار مذکورہ بالا۔

مالی معاملات میں عدل وانصاف سماجی:

یہ ایک تحقیق طلب موضوع ہے اور ایک ضخیم کتاب کا مواد رکھتا ہے۔ اس کا ایک مختصر تجزیہ مختلف عناوین کے تحت کیا جاتا ہے:

شخصی مالی معاملات میں عدل نبوی:

خاتم النبیین ﷺ صحابہ کرام میں سے کسی سے کوئی قرض لیتے تو رقم یا جنس واپس کرتے وقت مزید کچھ اضافہ بھی عطا فرماتے کہ احسان نما معدلت گستری تھی۔

ایک قرض خواہ کے سخت و بے ادب تقاضے پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس کو شدید ملامت ولعن طعن کیا۔ آپ نے قرض ادا کرنے کے ساتھ اصحاب کی شدید مدافعت و تادیب کے عوض نہ صرف اس کا قرض ادا کیا بلکہ مزید عطا فرمایا اور ارشاد کیا کہ قرض خواہ کا حق تقاضا درست تھا مگر اس کی بے ادب سختی کے جواب میں عرض مسلم عدل واحسان کے خلاف تھی۔[1]

پوری حیات طیبہ میں متواتر سنت وطریقت نبوی رہی کہ صحابہ کرام یا غیر مسلم اکابر واشخاص کے مالی یا طعامی یا جنس وجانور پر مبنی ہدایا کے عوض ان سے زیادہ قیمتی ہدایا وتحائف عطا فرماتے کہ محسن اعظم ﷺ کی عدالت گستری احسان وتلطف کی خوگر تھی۔ بسا اوقات ایسا بھی ہوا کہ تحفہ دینے والوں کو نبوی ہدیہ وعطائے بیش قیمت پر تکدر وملال ہوا اور حرف شکایت زبانوں پر آگیا، مگر آپ نے ان کو ہدایا کے باہمی تبادلہ میں چھپی حکمت ومحبت سے آگاہ کیا اور روایت اسلامی اور طریقت عدالت گستری ڈالی کہ محبت بھرا لین دین محض اکابر ومشائخ کی تحائف کی قبولیت تک محصور نہ ہوجائے اور وہ دوسروں کو خاص کر فروتر لوگوں، خادموں اور مداحوں اور

۱۔ بخاری / فتح الباری، کتاب الاستقراض، باب استقراض الابل، ج ۵، ص ۷۱، حدیث ۲۳۹۰: (أَنَّ رَجُلًا تَقَاضَى رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَغْلَظَ لَهُ فَهَمَّ بِهِ أَصْحَابُهُ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَعُوهُ فَإِنَّ لِصَاحِبِ الْحَقِّ مَقَالًا ثُمَّ قَالَ اشْتَرُوا لَهُ بَعِيرًا فَأَعْطُوهُ إِيَّاهُ فَطَلَبُوهُ فَلَمْ يَجِدُوا إِلَّا سِنًّا أَفْضَلَ مِنْ سِنِّهِ فَقَالَ اشْتَرُوهُ فَأَعْطُوهُ إِيَّاهُ فَإِنَّ خَيْرَكُمْ أَحْسَنُكُمْ قَضَاءً) اس قیمت کا اونٹ دستیاب نہ تھا بلکہ بیش قیمت ملتا تھا وہ دلوایا۔ نیز احادیث: ۲۳۹۴-۲۳۹۲: موخر الذکر میں ہے کہ آپ پر ایک صحابی کا قرض تھا وہ تو آپ نے ادا کیا ہی اور مزید عطا کیا۔

پیروکاروں کو تحفہ وہدیہ دینا ہی بھول جائیں۔ اس ضمن میں بلند ہاتھ کی پست دست پر فضیلت کی حدیث کی حکمت زیادہ معنی خیز نظر آتی ہے۔[1]

خانگی معاملات میں منصفانہ طریق نبوی:

ازواج مطہرات کے مابین کبھی سوتیا چاہ سے عالم غیظ وغضب اور حالت رشک ومحبت میں زیادتی ہوجاتی تو زبانی معدلت گستری تو فرماتے تھے اور اس کے ساتھ نقصان مایہ کی تلافی بھی کرتے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے عالم سرخوشی میں ایک دوسری زوجہ محترمہ کے بھیجے ہوئے پیالہ طعام پر ہاتھ مار کر گرادیا۔ سید وآقا صلی اللہ علیہ وسلم نے کھانے کے ٹکڑوں کو اٹھا اٹھا کر اپنے دستر خوان کی زینت بنالیا اور ٹوٹا ہوا پیالہ جوڑ کر رکھ لیا اور اس کے عوض ثابت وسالم اور بہتر پیالہ عوضانہ میں دلوایا اور کھانا بھی بھجوایا۔ اس نوع کے بعض اور واقعات دوسری ازواج مطہرات کے ضمن میں بھی آتے ہیں کہ فطرت نسائی کے وہ مظاہرے اور سید العادلین صلی اللہ علیہ وسلم کے وتیرے تھے۔ ان معاملات مہر ومحبت میں حکیمانہ تعلیم وتربیت کا اہم ترین نکتہ اس کے سماجی عدل گستری میں مستور ومحفوظ ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا چہیتی زوجہ مطہرہ تھیں اور ان کو نبوی چاہت کی بیکرانی اور گہرائی وگیرائی کا بھی بخوبی تجربہ تھا۔ تاہم حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا وغیرہ بعد کی ازواج مطہرات اور ان سے قبل رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اصل چہیتی زوجہ واحدہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں ان کے بعض زبانی طنزیات اور شکوہ آگیں فرمودات پر آپ نے ان کی نکیر کی اور ان کو اپنے حکیمانہ اور عادلانہ انداز تعلیم سے خطا وسہو اور سوتیا چاہ سے بھرے لہجے کی خطرناکی کا احساس دلایا اور معذرت ومعافی پر آمادہ کیا۔ حضرت عائشہؓ کا آخری احساس یہ رہا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب حزیں میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی اتھاہ محبت تازندگی رہی اور اس پر وہ رشک کناں رہیں۔ حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے بھی اسی طرح ایک طنزیہ اظہار کا صدور ہوا تو آپ نے ان کا مقاطعہ کردیا اور بالآخر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی سفارش پر اس کا خاتمہ ہوا۔

ازواج مطہرات کی سوتیا چاہ کی درجہ بندی اور بقول امام بخاری دوگانہ فرقہ بندی میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور ان کے حامی طبقہ ازواج کا اور ان کی مخالف ازواج طاہرات کے مابین موخر الذکر کا مطالبہ عدل وانصاف کا تھا۔ وہ

۱۔ مفصل بحث کے لیے کتاب خاکسار **عہد نبوی کا تمدن، باب ہدایا وتحائف**۔ حاشیہ وتعلیق: ۴۹ کی احادیث اور اس کی شرح میں حافظ ابن حجر عسقلانی کے مباحث بھی موجود ہیں اور مزید مدلل کرتے ہیں۔

سماجی انصاف کا بھی تقاضا تھا اور خانگی مساوات کا بھی۔ رسول اکرم ﷺ نے اس قضیہ مرضیہ اور محبت وعدالت گستری کے معاملہ میں جس طرح عدل وقسط کا وتیرہ اختیار فرمایا وہ نہ صرف خانگی عدل کا معیار اعلیٰ پر بلکہ سماجی انصاف کا بھی معیار واحد ہے۔ شاکی گروہ کا ایک مطالبہ یہ بھی تھا کہ صحابہ کرام اور بالخصوص ہدایا بھیجنے والے حضرت عائشہؓ کی باری کے دن کا انتظار نہ کیا کریں اور سب ازواج مطہرات کی باریوں پر مساویانہ طور سے ہدایا بھیجتے رہا کریں۔ آپ نے ان کا یہ مطالبہ مسترد فرمادیا کہ کسی ہدیہ دینے والے کی آزادی اور پسند پر قدغن کیونکر لگائی جاسکتی ہے۔ یہ پورا واقعہ سماجی انصاف کا ایک آدرش مرقع ہے جس میں نبوی عدل وانصاف معاشرتی کی روح منعکس ہوتی ہے۔[1]

بطور امام عادل:

حضرت محمد ﷺ کی شخصیت ومنزلت نبوت ورسالت کے بعد شخصی اور نجی نہیں رہ سکی اور وہ کسی طور سے رہ بھی نہیں سکتی تھی۔ منصب نبوت ورسالت پر سرفرازی کے بعد سید المرسلین وخاتم النبیین کی مرتبت وحیثیت آپ کی شخصی اور نجی جہات بشریت کو بھی محیط ہوگئی تھی۔ بلاشبہ عبدوبشر کی حیثیت میں آپ کی تمام کارفرمائیاں اور کارگزاریاں بشری سطح کی ہوسکتی تھیں اور کچھ ہوتی بھی تھیں، لیکن وہ رسول بشر اور وہ بھی خاتم الانبیاء، امام المحسنین اور دانائے سبل اور مولائے کل کی بھی چھاپ اور رنگ وآہنگ رکھتی تھیں۔ ان میں فقہی درجہ بندی اور تکلیف کی نوعیت پسندی کے باجوود رسول رب العالمین کی دینی جامع ومانع روح وحقیقت بھی کارفرما تھی اور امام عادل اور رسول آخریں کی مرتبت سے بھی وہ اسی طرح مستنیر ومستفیض تھیں۔ بطور امام ورسول اور حکمران رسول اللہ ﷺ نے عدل وانصاف کا ایک لازوال وبے نظیر اور آدرش اسوہ پیش کیا جو آخری کتاب اللہ کے احکام

1- کتاب عہد نبوی کے اختلافات کے دو ابواب، ۶۷-۵۵: ازواج مطہرات کا اختلاف اوران کے باہمی اختلافات میں عدل وانصاف نبوی۔ ان کے مآخذ ہیں: بخاری، کتاب الھبتہ کے مختلف ابواب، فتح الباری، ج ۵، ص ۲۵۳ ومابعد؛ مسلم، کتاب الفضائل، فضل عائشہ رضی اللہ عنہا؛ بخاری التفسیر، سورہ التحریم، کتاب الطلاق باب لم تحرم مااحل اللہ لک وغیرہ؛ فتح الباری، کتاب المظالم، باب ایلاء، ج ۹، ص ۲۷-۳۰ وغیرہ۔

سید سلیمان، سیرۃ عائشہ کے باب حسن معاشرت وغیرہ، سوکنوں کے ساتھ برتاؤ؛ شبلی، سیرۃ النبی، اعظم گڑھ ۲۰۱۴ء، جلد دوم کا باب ازواج وحسن سلوک؛ کتاب خاکسار: عہد نبوی کا تمدن، باب ہدایا طعام۔

عدل وانصاف کا عملی مرقع اور ظاہری اور حسی پیکر ہے۔ مالی معاملات میں بطور امام بنفس نفیس عدل گستری کا بلند ترین معیار قائم فرمایا اور صحابہ کرام کو بھی اسی کی اتباع و نقل کا خوگر بنایا۔ عدل وقسط قرآنی اس طرح انصاف وعدل نبوی میں ڈھل گئی اور دونوں مل کر عدالت صحابہ کرام میں عمل خالص بن گئی۔ اس کے واقعات وامثال مختلف النوع ہیں، اس لیے ان کو متعدد عناوین کے تحت بطور نمونہ وعبرت اور سبق پیش کیا جاتا ہے:

فوجی معاملات میں عدل وانصاف: کے نمونے سلب، زر فدیہ، تقسیم غنائم، عطایائے مولفۃ القلوب وغیرہ کے ابواب وانواع سے تعلق رکھتے ہیں۔ اول مسئلہ خمس اور ارباع کا تھا کہ پانچواں حصہ غنیمت عرب روایات کی رعایت سے زیادہ احکام قرآنی کی بناپر سربراہ ریاست کا حصہ تھا اور باقی چار حصے شریک مجاہدین کے۔ عرب اسلامی روایات کے مطابق کل غنائم میں سے ایک چیز اختیار کر کے اپنے لیے خاص کر لینے کی بھی تھی، جسے صفی / صفایا کہا جاتا تھا اور وہ سربراہ امت کا خاص حق سمجھا جاتا تھا۔

سلب: مفرور یا مقتول دشمن کے ساز وسامان بالخصوص اسلحہ کی تقسیم میں عدل مساوات واخوتِ برادرانہ اور مصلحت امت اور لیاقت فرد جیسی متعدد وجوہ پر مبنی تھا۔ مختلف غزوات وسرایا میں اس کی عطا وتقسیم کا معاملہ سیدھا سادہ اصولی نوعیت کا تھا کہ مسلم غازی کو اس کے مقتول ومفرور مقابلوں کا سلب مل جاتا کہ اس روایت عرب کو اسلامی وقرآنی تصدیق عطا ہوگئی تھی۔ عدالت وفیصلہ کا معاملہ اس پیچیدہ صورت حال میں پیش آتا جب ایک سلب کے دعویدار ایک سے زیادہ ہوتے اور ہر شخص اپنے حق کا طالب ہوتا یا سرے سے کوئی طالب سلب نہ ہوتا۔ مختلف مواقع پر آپ نے حق دار یا حقداروں کے درمیان عدل وانصاف سے فیصلہ فرمایا۔ اس کے مختلف الانواع معاملات ملتے ہیں:

دو یا زیادہ مدعیوں کے مطالبہ پر آپ ﷺ عینی شہادت یا عادل کی گواہی کی بنا پر حق دار کو اس کا حق دلا دیتے جیسے غزوہ بدر میں ابوجہل مخزومی کے سلب پر آپ نے تمام دعوؤں کا منصفانہ فیصلہ فرمایا۔ غزوہ حنین میں حضرت ابوقتادہ انصاری رضی اللہ عنہ اور ان کے ایک شریک مجاہد کے درمیان سلبِ مقتول پر اختلاف ہوا تو آپ نے ان کا حق دلایا۔ بعض دوسرے غزوات وسرایا میں سلب کے حق میں نبوی عدل گستری یا صحابہ کرام کے منصفانہ طرز عمل کا ذکر ملتا ہے۔

قتلِ فرعون امت ابوجہل مخزومی کے باب میں تین تین مدعیان سلب تھے اور آپ نے ان تینوں کو ان کے قتلِ ظالم میں حصہ داری کے سبب مساوی حصہ دلوایا۔

سریہ موتہ میں حضرت خالد بن ولید مخزومی رضی اللہ عنہ فاتح وغازی امیر لشکر اوران کے ایک مجاہد حضرت عوفؓ بن مالک حمیری کے درمیان ایک کافر مقتول کے سلب پر اختلاف ہوا کہ مجاہد صحابی اپنے حق سلب کے طالب تھے اور امیر موصوف اس کی زیادہ قیمت کے سبب انکاری، حالانکہ مجاہد مذکور نے اصول نبوی بھی واضح کیا تھا۔ مدینہ منورہ واپسی پر معاملہ عدالت میں پیش کیا گیا اور آپ نے دونوں کی باتیں اور دلیلیں سننے کے بعد سلبِ مقتول مجاہد سپاہی کو دینے کا حکم دیا۔ مجاہد موصوف کو اپنے حق ودعوی کے تسلیم کیے جانے پر شدت جوش وحصول میں یہ حرکت سرزد ہوئی کہ امیر موصوف کی چادر کھینچ کر بے ادبی کی اور اپنے دعوے کی حقانیت پر سخت لہجہ اختیار کیا۔ امام عدالت وانصاف نے اس بے ادب اور شدت نکیر کو مقام ومرتبہ امیر کے خلاف گردانا اور بطور سزا مجاہد موصوف کو ان کے حق سلب سے محروم کردیا۔

امیر سریہ یا امیر شہر سے کسی غلطی کے صدور یا غلط فیصلہ پر قصاص وانتقام لینے کے مطالبہ صحابہ کو آپ نے تسلیم نہیں کیا کہ اس سے انضباط وانتظام میں خلل پڑتا۔ حضرت خالد بن ولید مخزومی رضی اللہ عنہ کے بعض اقدامات سے حضرات صحابہ اور بالخصوص حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اختلاف رہا مگر آپ نے اسے مصلحت امت کے سبب تسلیم نہیں کیا۔(۱)

تقسیم غنائم: میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مساوی طور سے ہر ایک پیدل سپاہی اور سوار مجاہد کو بالترتیب اکہرا اور دہرا مال دیتے تھے اور بعد کے زمانے میں بعض بعض مجاہدین کو ان کے دو گھوڑوں کی بنا پر تین گنا مال دیا تھا۔ وہ دراصل سوار مجاہد اور اس کے مرکب جہاد کی سریع الحرکت اور موثر ترکار کردگی کا انعام تھا۔ اس باب میں آپ نے کسی اور قسم اور وجہ کو معیار نہیں بنایا اور ہر ادنیٰ واعلیٰ کو برابر برابر قیمت کا حصہ ومال عطا فرمایا اور خود بھی وہی لیا۔ بطور امام وقائد کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو عرب روایات کے مطابق صفی (مال غنیمت کے کسی حصہ کو) چن لینے کا حق تھا اور اس کا استعمال بھی آپ نے کیا، لیکن وہ صفی / صفایا(۲) کبھی اپنے پاس یا زیر استعمال نہ رکھیں بلکہ کسی نہ کسی صحابی کو ان کی فوجی

۱- عہد نبوی کے اختلافات کے ابواب: فوجی معاملات کے علاوہ اموال غنیمت اور اسلاب پر اختلافات نیز معاملات: ۱۴۸- ۱۵۰؛ ۱۶۱-۱۵۹ بحوالہ بخاری /فتح الباری: کتب المغازی، باب غزوة بدر، کتاب فرض الخمس، باب لم یخمس الاسلاب، مسلم، کتاب الجهاد، باب استحقاق القاتل سلب القتیل وغیرہ۔

۲- کتاب المغازی بخاری وغیرہ میں صفی /صفایا سے متعلق ابواب نیز کتب ومصادر سیرت ابن اسحاق /ابن ہشام وغیرہ میں مختلف غزوات میں صفی نبوی کی روایات عہد نبوی میں اختلافات کا متعلقہ باب۔

کارکردگی کے سبب عطا کردیں۔ تاہم کبھی کسی مصلحت کے سبب جیسے ابوجہل مخزومی کے اونٹ کو اپنی صفی خاص میں محفوظ کیا اور بالآخر حدیبیہ کے موقع پر اس کو دینی وفوجی مصالح سے بطور ہدی قربان فرمادیا۔ فرعون امت کی تلوار یا کسی اور قریشی جنگجو کی سیف ذوالفقار حضرت علی رضی اللہ عنہ کو عطا فرمادی کہ حضرت موصوف نے بیس سے زیادہ قریشی سرداروں کو ٹھکانے لگایا تھا، یا اسی طرح حضرت زبیر بن عوام اسدی رضی اللہ عنہ اور بعض ،دوسرے صحابہ وصحابیات کو بھی صفایائے خاص سے نوازا تھا کہ ان کی فوجی اور جہادی کارکردگی عدل واحسان کی طالب تھی۔

بعض غزوات ومواقع پر مجاہدین بدوی اور سخت مزاج قبائلیوں کو آپ کی تقسیم غنائم سے بے جا شکایت ہوئی اور کسی بے ادب نے آپ کی چادر مبارک کو اپنی طلب کے تقاضائے شدید پر ایسی سختی سے کھینچا کہ گردن مبارک پر چادر کی رگڑ سے خراشیں پڑگئیں مگر آپ یہی فرماتے رہے کہ میرے پاس کچھ اور مال ہوتا تو وہ بھی تمہارے حوالے کردیتا۔

ایک موقع پر ایک سخت مزاج وسخت گیر بدوی نے مال غنیمت کی طلب میں نہ صرف بے ادبی کی بلکہ عدل وانصاف کرنے کی بات تک کہہ ڈالی۔ آپ نے فرمایا کہ میں اگر عدل نہ کروں گا تو اور کون کرے گا؟ احادیث بخاری: ۳۱۳۸/اور ۳۱۵۰/اور موخر الذکر کے سات اطراف میں اس کا ذکر ہے۔[1]

تقسیم غنائم کے برخلاف تقسیم خمس یا اموال فے وغیرہ میں سے عطیہ وعطا کا معاملہ مادی اور حسی عدل سماجی سے زیادہ روحانی اور اسلامی عدل گستری کا تھا۔ اس کا مختصر تجزیہ بعد میں آتا ہے۔

مولفۃ القلوب کو عطایائے نبوی:

تقسیمِ اموالِ غنائم کی ایک روایتی شق اور خاص اسلامی حکمت یہ بھی تھی کہ اکابر قبائل اور سادات قریش کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی صوابدید سے بہت بڑی مالی قدر وقیمت کے عطایا دیتے تھے۔ ان کا سلسلہ تو شروع سے تھا مگر فتح مکہ اور غزوہ حنین کے بیش قیمت غنائم میں عظیم ترین واقعہ بن گیا۔ بڑے قبائل اور وسیع اثرات کے مالک شیوخ بطور خاص اور روسائے قبائل کو بالعموم سو سو اونٹ یا ان کے بقدر مالیت کے عطایا تالیف قلوب کے لیے عطا

۱۔ بخاری کی مذکورہ بالا احادیث اور ان کے مختلف اطراف متعدد کتب وابواب میں مختلف سندوں سے آئے ہیں جیسا امام موصوف کا طریقہ روایت ومکررات ہے۔

کیے۔[1] اس عطیہ میں اکابر ومشائخ کے سماجی وقبائلی مرتبہ کے ساتھ ان کی خدمات اور مصالح امت کے مقاصد ومحرکات بھی کارفرما رہے تھے۔ یہ تمام عطائے نبوی خالص خمس غنائم سے عطا فرمایا کرتے تھے جو بحیثیت رسول وسربراہ امت وریاست آپ کا خاص الخاص اختیار تھا اور اس کے متعلق آیات قرآنی اور احادیث نبوی نے آپ کو یہ اختیار بھی دے دیا تھا کہ جس کو جتنا چاہیں عطا فرما دیں اور جس کو نہ چاہیں کچھ نہ دیں۔ متعدد شیوخ وسادات قبائل کو عطا سے محرومی برانگیختہ کر گئی تو وہ لعن طعن اور بے ادبی وشکایت پر اتر آئے۔ قرآن کریم نے ان کو غلط ٹھہرایا۔ بعض رؤسا کو سو سے کم اونٹ کے عطیہ پر اپنی سماجی وقبائلی منزلت پر حرف آتا اور ہمسروں میں سبک سر ہوتا محسوس ہوا تو انھوں عدل ومساوات کا مقدمہ عدالت نبوی میں بہ ادب پیش کیا اور آپ نے ان کا مطالبہ تسلیم کر لیا اور ان کا عطیہ وحصہ بڑھا کر انھیں سرخرو کر دیا۔

تقسیم مال ومنال میں صورت عدلِ احسانی:

بہت سے ایسے افراد واکابر تھے جو راضی برضا تھے کہ ان کو مال ودولت کی طلب سے زیادہ رضائے مولیٰ مطلوب تھی اور وہ شاکر بھی تھے۔ متعدد احادیث نبوی اور حضرت خالد بن ولید مخزومی رضی اللہ عنہ سے ایک خاص مکالمہ سے عطائے مال اور ارزانی رضا کا فرق واضح ہوا تھا کہ آپ جن کو مال ودولت کی آلائش سے محفوظ رکھتے ہیں ان کو زیادہ محبوب رکھتے ہیں۔ ان میں سے ایک صحابی شیخ حضرت عمرو بن تغلب رضی اللہ عنہ تھے جن کو یہ فرمان نبوی سننے کو ملا تو بے ساختہ فرمایا: "کلمہ نبوی میرے لیے سرخ اونٹوں سے زیادہ محبوب ہے۔" ان جیسے دوسرے صحابہ کرام اور شیوخ عظام کافی تعداد میں تھے۔[2] حضرت حکیم بن حزام اسدی رضی اللہ عنہ کا معاملہ خاص بھی ہے اور تربیت وعدالت نبوی کا حکیمانہ اثبات بھی۔ وہ آپ کے دیرینہ دوست، حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بھتیجے تھے، بہت متمول وباثر سردار قریش اور صاحب مکارم اخلاق بزرگ تھے۔ ان کو عطیہ نبوی ملا تو اور کی طلب ہوئی، آپ نے پوری کر دی۔ پھر مانگا، پھر دیا۔ اور تیسری بار ارشاد فرمایا کہ "حکیم! مال بڑا میٹھا اور جاذب نظر ودل میوہ ہے، لیکن اسی کے لیے جس نے اسے حق سے لیا اور حق کے لیے صرف کیا" فرمان نبوی ان کا دل چیر گیا اور عزم راسخ اور ایمان قوی تر کر گیا

۱- مسلم، کتاب الزکوۃ بروایت حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ؛ ابن اسحاق / ابن ہشام اور بخاری کے ابواب مولفۃ القلوب پر۔

۲- بخاری، کتاب فرض الخمس، باب ماکان النبی ﷺ یعطی المولفة قلوبهم الخ، حدیث ۳۱۴۵؛ فتح الباری، ج ۶، ص ۳۰۰ ومابعد۔

اور انھوں نے آپ سے وعدہ کیا کہ وہ اس کے بعد کسی سے کچھ نہ لیں گے اور تا زندگی اسے نبھایا۔ ان کے صبر وعزم اور وعدہ وایمان پر آپ نے ان کو خوشحالی اور دولتمندی کی دعا دی اور اس کے نتیجہ میں ان کو اپنی تجارت سے اتنا مال ملا کہ کوئی ان کا حریف نہ تھا۔ (1) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباس بن عبد المطلب ہاشمیؓ کے مال کے بارے میں دو واقعات سے تقسیم مال میں عدل وانصافِ نبوی اور سماجی قسط ومساوات کا پہلو اجاگر ہوتا ہے۔

شیوخ وسرداران انصار: کا معاملہ ایمان ومحبت، خدشہ ووسوسہ اور اندیشہ ہائے دور دراز کے علاوہ خلشِ دل اور اضطرابِ شوق کا تھا۔ خاص عطائے مولفۃ القلوب کے موقعہ پر بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں سے کسی کو مال کے عطیہ سے آلودہ نہ کیا کہ عدالت گستری کا ایک درس دینا تھا۔ بعض مشائخ مدینہ کو اندیشہ نے ستایا کہ مکہ فتح ہو گیا اور آپ اپنی قوم میں پہونچ گئے۔ اب ان ہی میں رہ جائیں گے۔ ان کی سرگوشیاں آپ تک بھی پہونچیں۔ نوجوان طبقات اور ان کے زعماء کو مال ودولت سے محرومی پر اتنا صدمہ نہ تھا جتنا عطایائے نبوی سے محرومی پر۔ وہ عطائے مال کو عطیہ محبت سمجھتے تھے۔ بعض بعض کی زبانوں پر مال سے محرومی کی شکایت بھی آگئی۔ سید المرسلین اور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سب کی خبریں ملتی رہیں اور بالآخر آپ نے ان کو جمع کیا۔ آپ کا یہ خطبہ عالیہ عدالت، محبت، سماجی انصاف، مالی عطیہ، رضائے آقا ومولیٰ اور دولت کونین سے سرفرازی کا نسخہ حکمت وعزم ہے۔ انصار کرام کی خدمات عالیہ اور بے مثال وعظیم قربانیوں کا ایک ایک کا ذکر کر کے ان کے احسانات سے اپنی اور امت اسلامی کی گرانباری کا ذکر فرمایا۔ ان کے دل جب نرم اور قبول حق ومحبت کے لیے تیار ہو گئے تو آخری عطیہ کا اعلان فرمایا: "کیا تم اس سے خوش نہیں ہو کہ لوگ بھیڑ بکری لے جائیں اور تم رسول اللہ کو اپنے گھر لے جاؤ؟" پورا مجمع جاں نثاران پھوٹ پڑا، آنکھیں برسنے لگیں، آنسوؤں سے چہرے اور داڑھیاں تر ہو گئیں اور زبانوں سے تراوش ہونے لگی۔ "بخدا ہم راضی ہیں ہم شاکر ہیں، ہم خوش نصیب ہیں کہ ہمیں دولتِ کونین مل گئی۔" (2)

۱۔ بخاری، کتاب الزکوۃ، باب الاستعفاف عن المسالۃ؛ مسلم کتاب الزکوۃ میں یہ حدیث مختصر ہے اور خلفاء راشدین کے زمانے میں ان کے استغنا کا ذکر نہیں۔ حدیث: (ان المال حلوۃ خضرۃ) میں ہے وہ مشہور حدیث: (الید العلیا خیر من الید السفلیٰ)۔ نیز حضرت حکیم بن حزام اسدی پر کتاب وخاص مطالعہ خاکسار "رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی حکیم بن حزام" (زیر طبع)

۲۔ بخاری / فتح الباری، کتاب فرض الخمس، باب ماکان النبیﷺ یعطی المولفۃ قلوبہم، ج۶، ص ۳۰۲-۳۰۰ ومابعد، حدیث ۳۱۴۷۔

عدل وانصاف کا ایک قانون اور مادی پہلو ہے اور وہ بظاہر برابر برابر یا درجہ و مرتبہ کے مطابق مال و دولت اور دنیاوی اشیا کی تقسیم کا مطالبہ کرتا ہے مگر نبوی عدالت گستری اور اسلامی سماجی انصاف اس سے بڑھ کر احسان آگیں عدالت و معدلت گستری کا تقاضا کرتا ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے ظاہری اور مادی عدل وانصاف کے ساتھ روحانی اور ملکوتی عدل سماجی کا ایک جان وروح پرور اور جسم وبدن ساز اور معاشرتی توازن وتناسبِ منصفانہ کا معیار عدل قائم فرمایا تھا جو مال و دولت کی تقسیم مساویانہ و منصفانہ سے زیادہ سماجی تعمیر و تطہیر اور نفسی تہذیب وترقی کا ضامن ہے۔

اراضی کی تقسیمِ منصفانہ:

رسول اکرم ﷺ کے نصابِ عدل وانصاف میں ضرورتِ افراد وطبقات، مصالحِ امت اور بلند مرتبتِ خیر امت کی رعایت بنیادی نکتہ ہے۔ اور مساوی تقسیم اراضی اور منصفانہ عطیہ اموال / جائداد بھی اپنے مقام و محل اور مصلحت واصول کی بنا پر اس کا ایک باب ہے۔ تقسیم مال و منال میں خدمات و شراکت اور شرافت و مصاجبت کا خیال بھی اس کی شہ سرخی اور دل پذیر عبارت ہے۔ ان کی چند مثالیں ہی اس مختصر پیش کش میں سما سکتی ہیں:

اراضی مدینہ کے اقطاعات وعطایا:

انصار کرام کی بے مثال اور قابل تقلید اور تہذیب و معاشرت آفریں قربانیوں کا ایک مادی مظاہرہ یہ تھا کہ اپنی تمام اراضی واموال اور افتادہ وآباد جائیدادیں اور سارا نقد وجنس پر مشتمل مال و دولت رسول اکرم ﷺ کے قدموں میں رکھ دیا اور مہاجرانِ نادار کو مال و منال میں شریک کر لیا۔ رسول اکرم ﷺ نے افراد و طبقات مہاجرین کی ضرورت و حیثیت اور بساط کے مطابق ان کو مکانات، اراضی اور باغات وغیرہ عطا کیے۔ مدینہ منورہ کے ایک مخیر یہودی نو مسلم صاحب اموال حضرت مخیریق رضی اللہ عنہ نے اپنے باغات واموال آپ کو ہدیہ کر دیے تو آپ نے ان کو بیشتر نادار مہاجرین میں اور بعض مفلس و محتاج انصار میں تقسیم کر دیا۔ انصار کرام خیر و محبت وایثار میں تمام اموال کو اپنے نادار اور ضرورت مند مہاجر برادران اسلام میں تقسیم کرنے کے لیے مصر تھے لیکن آپ نے اسے

قبول نہ فرمایا۔ اور مہاجرین صحابہ میں سے بھی اکثر غیرت مندوں نے حاجت کا مظاہرہ نہ کیا۔ عطا کرنے والے اور لینے والے کے کردار و نفس کی تہذیب بھی توعدل گستری ہے۔ [۱]

خیبر وفدک ووادی القریٰ کے اموال واراضی: اوران کے پیداواریں منصفانہ اور اصولی طور سے فاتحین اسلامی کے درمیان تقسیم کی گئیں اور خمس ریاست رسول اکرم ﷺ نے قرآنی قانون کے مطابق طعم / پیداواری حصوں میں سے عطایا اپنی ازواج مطہرات، اعزہ واقربا اور نادار مسلمانوں وغیرہ پر نچھاور کی۔ اس تقسیم وعطا میں جس عدل وقسط معاشرتی کا آپ نے مظاہرہ فرمایا تھا وہ تمام مسلمانوں کے ساتھ مفتوحہ اراضی کے سابقہ مالکوں کو بھی بھا گیا۔ [۲]

بنو عبد مناف میں بنو ہاشم وبنو مطلب کا عطیہ:

خمس ریاست سے جب دیا گیا تو بنو عبد مناف کے دو باقی خاندانوں بنو امیہ اور بنو نوفل نے اپنے دو عظیم سربراہوں حضرت عثمان بن عفان اموی رضی اللہ عنہ اور حضرت جبیر بن مطعم بن عدی نوفلی رضی اللہ عنہ کے ذریعہ اپنا حصہ بھی مانگا کہ وہ بھی آپ کے اسی طرح عزیز وقریب ہیں، لیکن آپ نے ان دونوں خاندانوں سے عزیزانہ تعلقات اور ان کے نمائندوں اور سرداروں کی اسلامی خدمات ودینی منزلت کے باوجود ان کو اس عطیہ سے باہر رکھا کہ مکہ کے دورِ ستم وکرب وبلا میں ان دونوں خاندانوں نے آپ کی حمایت ونصرت اس طور نہ تھی کہ جس طرح بنو ہاشم وبنو مطلب کے افراد وطبقات نے متحدہ طور سے کی تھی۔ یہ خالص قرآنی حکم وفیصلہ کے مطابق عدل نبوی تھا جس میں خدمات عالیہ اور فتح سے قبل اور فتح کے بعد کی عطاو فضیلت میں درجہ بندی رکھی گئی تھی جیسے انبیائے کرام کی باہمی افضلیت کا معاملہ ہے۔ [۳]

۱- **بخاری**، کتاب المساقاۃ : حدیث:۲۳۶۲-۲۳۵۹، **فتح الباری**،ج ۵، ص ۴۲-۴۰؛ کتاب التفسیر ،سورۃ النساء، کتاب الصلح /**فتح الباری**،ج۵، ص ۳۸۰،مسلم، کتاب الفضائل، باب وجوب اتباعہ ﷺ۔ اصل واقعہ حدیث بخاری رقم ۲۷۰۸ میں ہے۔ نیز کتاب خاکسار "عہد نبوی میں اختلافات"، ۱۶۹-۱۶۸ مع حواشی ۲۶۴-وغیرہ۔

۲- ابن اسحاق / ابن ہشام میں غزوہ خیبر وغیرہ کی فتح اور صلح کی بحث میں سب سے زیادہ تفصیل ہے۔

۳- ابن اسحاق / ابن ہشام کی روایات واحادیث تھوڑی سی تبدیلی سے بخاری میں ہیں: کتاب فرض الخمس ،باب ومن الدلیل علیٰ ان الخمس للامام الخ، حدیث:۳۱۴۰؛ فتح الباری، ج ۶، ص ۲۹۵-۲۹۳۔ امام بخاری کے دو اطراف

اموال واراضی کی واپسی:

مدینہ کے یہودی قبیلہ بنو النضیر کی شہر نبوی سے جلاوطنی کے بعد جب ان کے اموال وباغات رسول اکرم ﷺ کے فے(خاص حصہ مال) میں آئے تو آپ نے انصار کرام کے عطا کردہ باغات واموال مہاجرین سے لے کر ان کو واپس کرنے شروع کر دیے کہ ناداروں اور بے مالوں کو اموال فے مل گئے تھے۔ سب نے اپنے عطایائے نبوی سے سے خوش ہو کر انصار کے اموال واپس کر دیے۔ رسول اکرم ﷺ کی انا(حاضنہ) حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا نے اپنا مال وباغ واپس کرنے سے صاف انکار کر دیا، جو خادم نبوی حضرت انس بن مالک انصاری رضی اللہ عنہ کی ماں نے ان کو ہبہ کیا تھا۔ رسول اکرم ﷺ نے اپنی ماں ام ایمن رضی اللہ عنہا کو بہتر مال اور زیادہ قیمتی عطیہ اراضی دینے کا وعدہ کیا مگر وہ اپنے مال موہوبہ سے محبت اور رسول اکرم ﷺ کے رشتہ مودت کے زعم میں کسی طرح راضی نہ ہوئیں بلکہ آپ ﷺ کو بھی خوب کھری کھری سناتی رہیں۔ رسول اکرم ﷺ نے ان کی تالیف قلب اور اکرام واعزاز میں اضافہ کیا اور اتنا بڑا اور قیمتی مال دیا اور اپنی ایسی محبت وعقیدت اور لحاظ وخاطر نچھاور کی کہ وہ انصاری ام الخیر کی اراضی / باغ واپس کرنے کر راضی ہو گئیں اور معدلت گستری اور احسان شناسی کی لاج رکھ لی۔ [1]

زرفدیہ:

غزوہ بدر میں زرفدیہ کی متعدد شرحیں سماجی عدل وانصاف کی بناپر مقرر فرمائیں کہ سب اسیرانِ جنگ یکساں مالی حیثیت کے نہ تھے۔ مالدار اسیروں کے لیے چار ہزار درہم کی بلندترین شرح جو عرب قومی روایات اور قریشی نازوافتخار کے معیارات کے عین موافق تھی۔ متوسط مالی حیثیت کے قیدیوں کے لیے دوہزار درہم اور ان سے فروتر افراد کے لیے ایک ہزار اور معذوروں کو بلا فدیہ بطور احسان آزادی دی۔ ان اسیران قومی میں متعدد کاتب اور کتابت وقراءت

حدیث اور ہیں۔ حافظ ابن حجر عسقلانی کی شرح میں امام ابن اسحاق کی تشریح کو بہت اہمیت دی ہے؛ نیز عہد نبوی میں اختلافات، ۳۴- ۳۵ مع حواشی وتعلیقات۔

۱- بخاری، **کتاب المغازی**، باب مرجع النبی ﷺ من الاحزاب، حدیث ۴۱۲۰، **فتح الباری**، ج ۷، ص ۵۱۲-۵۱۵؛ مسلم، **کتاب الجهاد**، باب رد المهاجرین الی الانصار منائحهم، مقالہ خاکسار: حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا، رسول اکرم ﷺ کی انا، معارف اعظم گڑھ، فروری-مارچ ۲۰۰۳ء اسی نام سے یہ کتابچہ بھی چھپ گیا ہے۔

وتدریس کے عالم تھے۔ ان کا زر فدیہ مالِ فانی کی بجائے دس دس بچوں کو پڑھنا لکھنا سکھانا متعین فرمایا۔ یہ عدالت نبوی اور حکمت محمدی ہی کر سکتی تھی۔ رسول اکرم ﷺ کی نگاہ نبوت وفکر فطرت میں صرف مادی مال ہی سب کچھ نہ تھا۔ مال کے بطور زر فدیہ بنانے کا واقعہ عم مکرم حضرت عباس بن عبد المطلب ہاشمی رضی اللہ عنہ اوران کے بھتیجے حضرت عقیل بن ابی طالب ہاشمی رضی اللہ عنہ کے باب میں چشم کشا ہے بعض اکابر انصار وسرداران بنو النجار / خزرج کے عرب قومی روایت "ابن اخت" (فرزند ہمشیرہ) کے جذباتی دلائل کے خلاف آپ نے نہ صرف حضرت عباس ہاشمی رضی اللہ عنہ کو گراں ترین شرح پر فدیہ ادا کرنے کا پابند کیا بلکہ ان ہی سے ان کے مفلوک الحال بھتیجے کا بھی زر فدیہ اسی شرح سے وصول کیا۔ (۱)

داماد رسول حضرت ابو العاص بن ربیع عبشمی رضی اللہ عنہ کے زر فدیہ میں جب ان کو زوجہ مطہرہ اور بنت رسول حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے وہ طلائی ہار بھیجا جو ان کو ان کی ماں اور رسول اکرم ﷺ کی عزیز ترین رفیقۂ حیات نے ان کی شادی پر ہدیہ کیا تھا تو آپ نے صحابہ کرام کی اجازت ومرضی سے ہار تو واپس کر دیا مگر قیدی داماد سے بنت رسول کو مدینہ بھیج دینے کی شرط منوالی اور صالح ترین داماد نبوی نے اپنا وعدہ وفا کر دیا۔ یہ بھی حکمت وعدالت نبوی کا مظاہرہ تھا اور احسان ومحبت اور ایفائے عہد اور تالیف قلوب کا نسخہ کیمیائے عدل وانصاف تھا۔ زر فدیہ مال ومادہ کی بجائے ایک مسلمہ مومنہ کی گھر واپسی کی شرط رکھی جو پوری کی گئی۔ اسے تبادلہ مال از تحفظ جان بھی قرار دیا جا سکتا ہے۔ غزوہ بدر کے موقع پر ایک قریشی کافر قیدی کو ایک مسلمان عمرہ کرنے والے اسیر کا تبادلہ بھی اسی طرح کیا گیا تھا۔ عدل گستری میں صرف دونوں پلڑے برابر کرنے یا رکھنے کا کام نہیں ان کے میزان کے مستقیم ہونے کا معاملہ بھی لازمی ہے اور ہر چیز کو تولنے کا لازمہ بھی ملتا ہے۔ (۲)

۱۔ بخاری، کتاب العتق، باب اذا اسیر أخو الرجل أو عمه هل یغاریٰ؟ فتح الباری، ج۵، ص۲۰۷-۲۱۰، بخاری کے علاوہ ابن اسحاق / ابن ہشام وغیرہ میں فدیہ کی مختلف شرحوں کا ذکر ہے اور مسند احمد بن حنبل میں تعلیم بچگان کا بیان ہے۔ ملاحظہ ہو: شبلی، سیرۃ النبی، ج ۱، ص ۳۳۲ غزوہ بدر کے مباحث تجزیاتی؛ شبلی نے طبقات ابن سعد سے یہ بھی بیان کیا ہے کہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے اسی طریقہ سے لکھنا پڑھنا سیکھا تھا؛ ابن اسحاق / ابن ہشام، ج ۲، ص ۱۸۹-۱۹۰ ومابعد۔

۲۔ ابن اسحاق / ابن ہشام، ج ۲، ص ۱۹۴-۱۹۳۔

زرِ دیت و قصاص:

دیت (مالی خوں بہا/معاوضہ) اور قصاص برابر کا بدلہ قتل وزخم کے باب میں اسلامی قرآنی احکام ہیں اور تمام شرائع اسلامی میں جاری ساری رہے ہیں۔ عرب قومی روایات اور قریشی قوانین وضوابط تحفظ میں ان دونوں کا اجراو عمل ان کی زندگیوں کا بھی ضامن تھا اور ان کے مال واسباب وخاندان کی حفاظت کا بھی۔ دراصل وہ معاشرت و معیشت کی صحت وبقا کا ایک لازمی اصول تھا اور عدالت اسلامی کے علاوہ سماجی عدل وانصاف میں بھی وہ تمام معاشروں کے لیے لازمی ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے اس اصول وضابطہ تحفظ کو مکی دور میں بعثت سے قبل دین حنیفی کے باقیات صالحات میں پایا تھا اور ان کی تصدیق وتائید قرآنی آیات میں ملی تھی۔ مکی دور نبوی میں قریشی ملأ اور دوسرے قبائلی نظاموں کی قوت نافذہ اور سیاسی وسماجی قوانین نے اس کا نفاذ کیا اور مدنی عہد نبوی میں آپ کو قوت نافذہ ملی تو براہ راست نفاذ کا حق آپ کو مل گیا۔ آپ نے حکیمانہ انداز سے مختلف قبائلی روایاتِ دیت و قصاص کو تسلیم کیا کہ ان کی گوناگونی میں قبائلی حیات وصحت کی ضمانت تھی۔ ہجرت مدینہ کے کچھ عرصہ بعد ہی آپ نے دستور مدینہ کی اولین دفعات میں ان گوناگوں روایات قبائل کو تسلیم کر کے نام بہ نام ان کی تصریح ثبت فرمادی تھی تاکہ تحریر وروایت کے اتفاق سے عرب قبیلوں اور مسلم وغیر مسلم دونوں فریقوں پر دستور ومعاہدہ سے روایت وقانون کی بالادستی سب پر واضح ہو جائے اسی معاہدہ و دستور کی طاقت وتاثیر نے مدینہ منورہ کے تین جارح یہودی قبیلوں۔ بنو قینقاع، بنو نضیر اور بنو قریظہ۔ کو دیت وقصاص کے متفقہ ومسلمہ اصول وقاعدہ کی بنا پر دیت ادا کرنی پڑی تھی یا قصاص کے عمل سے گزرنا پڑا تھا۔[1] ان کا ذکر ذرا بعد میں اپنے مقام پر آتا ہے۔ امت اسلامی کے افراد وطبقات کے معاملاتِ دیت وقصاص کا ایک مختصر جائزہ سماجی عدل وانصاف کے حوالہ سے پیش کیا جاتا ہے:

دانت کے بدلے دانت کا معاملہ:

ایک عظیم ترین صحابیہ حضرت ربیع بنت نضر خزرجی رضی اللہ عنہا سے ایک لڑائی جھگڑے میں ایک اور لڑکی کے دانت توڑ ڈالنے کا حادثہ پیش آیا۔ صحابیہ موصوفہ کے والیوں نے زخمی لڑکی کے اعزہ سے معافی کی درخواست کی مگر وہ

۱۔ عہد نبوی میں تنظیم ریاست وحکومت کے باب اول میں دستور مدینہ پر تجزیاتی بحث بحوالہ مآخذ متعددہ بالخصوص ابن اسحاق/ابن ہشام، ج ۱، ص ۹۶-۹۵ جس میں متن دستور مدینہ ہے۔ ان پر متعدد محققین جیسے ڈاکٹر محمد حمید اللہ، آربی سرجنٹ، مونٹگمری واٹ، ویننسک وغیرہ نے بحث کی ہے اور تجزیہ بھی؛ روایتی مسلم سیرت نگاروں نے صرف اس کا سرسری ذکر کیا ہے۔

قصاص لینے پر تل گئے اور عدالت نبوی تک معاملہ لے گئے۔ آپ نے حضرت ربیع رضی اللہ عنہا کا دانت توڑنے کا حکم آیت قرآنی کے مطابق دے دیا، مگر ان کے مستجاب الدعوات چچا حضرت انس بن نضر نے آپ کی سچی بعثت کی نسبت سے اللہ تعالیٰ پر قسم کھالی کہ ان کا دانت نہیں توڑا جائے گا۔ پھر دیت کے اصول کے مطابق صحابہ نے صلح کرلی اور دیت مالی ادا کر کے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی قسم نے اپنی بھتیجی کا دانت بچالیا۔ روایت میں خاصا اضطراب ہے کہ دیت کا حوالہ وذکر اس میں نہیں آتا اور یہ واضح کیا جاتا ہے کہ جیسے دیتِ زخم کا اصول اس واقعہ یا قسم مستجاب کے بعد اترا ہو حالانکہ وہ آیات مذکورہ میں موجود ہے۔[1]

قتل کے بدلے قتل / قصاص:

ایک برادر کے قتلِ مظلومانہ کی دیت دلادینے کے بعد اور فیصلہ نبوی ہو جانے کے بعد ان مقتول کے حقیقی مسلم برادر نے قاتل کو جوش غضب میں قتل کرڈالا۔ وحی ربانی اور خبر رسانی کے ذریعہ سے آپ کو ظالمانہ عمل وانتقام کی خبر مل گئی تو آپ نے مسلم منتقم مزاج قاتل کو سزائے موت دی کہ عدل سماجی اسی کا متقاضی تھا۔

اس سے اہم واقعہ یہ ہے کہ ایک صحابی نے غصہ میں آکر گالی دینے والے کو اپنی کلہاڑی سے کاٹ ڈالا۔ خدمت نبوی میں اعتراف جرم بھی کرلیا لیکن دیت دینے یا اپنی قوم کی طرف سے ادا کرنے سے غربت کی بنا پر معذوری ظاہر کی۔ آپ نے مقتول کے وارث بھائی کو قتل کرنے کی اجازت دے دی اور دونوں کے جانے کے بعد فرمایا: "اگر وارث قتل کردے تو وہ بھی مجرم بن جائے گا کہ ایک برادر خاطی کو معاف نہ کرسکا۔ اگر قاتل کو معاف کردے گا تو دونوں کا گناہ قاتل کے حساب میں ہوگا"۔ ایک سامع صحابی نے آپ کا ارشاد ان دونوں تک پہونچادیا اور وارث اپنے مجرم کے ساتھ پھر حاضر خدمت ہوا اور آپ کے فرمان کی تصدیق چاہی، مل جانے پر اس نے قاتل کو معاف کردیا۔ قصاص کا قانونی پہلو تو یہی تھا کہ قاتل کو وہ قتل کرتا مگر قصاص احسانی نے معافی وعفو درگزر کی راہ کھولی اور سماجی انصاف کا ایک منارہ نور روشن کیا۔ قصاص ودیت کے ایسے اور بھی متعدد واقعات اور فرامینِ سرکار

۱- بخاری، کتاب الصلح ،باب الصلح فی الدیة، کتاب الجهاد، باب قول الله عزوجل: ﴿مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا...... الخ﴾؛فتح الباری، ۳۷۶/۵ومابعد وغیرہ۔

ہیں اور وہ عہد نبوی میں سماجی عدل وانصاف کے وسیع ترین جہات کے دروازے وا کرتے ہیں اور ان سے سماجی طبقات وافراد میں زیادہ ہم آہنگی پیدا ہوتی اور معاشرہ مجموعی طور سے خیر کل بن جاتا ہے۔[1]

چور عورت کی سزا:

سماجی انصاف اور عدل انسانی کی فطرت کے خلاف اونچ نیچ، شریف ورذیل اور خاندانی وغیر خاندانی جیسے انحرافات کی وجہ سے عدل گستری میں چور دروازے ہمیشہ نکالے جاتے رہے ہیں۔ قریش کے ایک عالی خاندان کے ایک عظیم الشان خانوادے کی ایک معزز ومالدار خاتون نے چوری کا جرم کیا تو اس کے خاندان والوں اور بلند خاندانی عظمت کے نگہبانوں نے اس کو سزا سے بچانے کی ہر کوشش کی حتی کہ رسول اکرم ﷺ کے ایک چہیتے فرد کو سفارشی بنا کر بیچ میں ڈالا مگر آپ نے سماجی عدل کا بیش قیمت معیار قائم ہی نہیں کیا بلکہ اصول بھی بیان کیا کہ اگر "فاطمہ بنت محمد نے یہی جرم کیا ہوتا تو اس کا بھی ہاتھ کاٹ دیتا"۔ اور سفارشی کو سخت سرزنش کی اور ان کو توبہ پر مجبور کیا۔[2] ایک دوسرے واقعہ میں اصول بیان کیا کہ سرکار دولت مدار میں جرم۔ سرقہ وغیرہ۔ کی رپورٹ کرنے سے قبل معافی دینا چاہیے۔ اثبات جرم کے بعد نفاذ قانون ناگزیر ہو جاتا ہے مگر اس میں دفع مضرت کا پہلو ہمیشہ راجح رکھا گیا کہ کسی طرح خطاکار کو سزا سے بچایا جائے۔ حالات وظروف کا جبر بدرجہ مجبوری حدود کا نفاذ کراتا تھا۔

زنا کی حد:

حضرت ماعزا سلمی رضی اللہ عنہ اور حضرت غامدیہ رضی اللہ عنہا پر حدود زنا کے اطلاق کے واقعات معلوم ومشہور ہیں اور ان سے موجودہ دور کے قانونی ماہرین وعلماء استدلال کرتے ہیں۔ بلاشبہ حدود زنا وسرقہ وغیرہ کا بسا اوقات نفاذ معاشرہ کی صحت اور سماجی انصاف کے لیے لازمی ہے اور رسول اکرم ﷺ نے ان کا نفاذ بھی کیا تھا، لیکن احتیاط وحزم سے ان دونوں کے باب میں آپ نے اپنی طرف سے بچانے کی پوری سعی کی ہے۔ حضرت ماعزا سلمی رضی اللہ عنہ کے چار بار کے اعتراف جرم پر اعلان نہ کیا اور نہ سزا دی۔ ان کے اصرار پر نفاذِ حد کا واقعہ پیش آیا۔ حضرت غامدیہ رضی اللہ عنہا کا واقعہ اور بھی دفع حد کا اثبات کرتا ہے کہ حمل کے دوران سنگسار کرنے سے انکار کر دیا اور وضع حمل کے بعد ان کو

۱۔ مسلم، **كتاب القسامة**، باب صحة الاقرار بالقتل اور دوسرے ابواب قصاص ودیت صحیحین وغیرہ ہیں۔

۲۔ بخاری، كتاب الفضائل، باب مناقب اسامة؛ كتاب المغازی، باب فتح مكة، كتاب الحدود؛ مسلم کتاب الحدود۔

دو سال تک مزید مہلت دی تا آنکہ نومولود دودھ چھوڑ کر کھانا کھانے لگے۔ اور ان کے پاک کرنے کے عزم کے سامنے دفعِ حد کی مہربانی رحمت للعالمین ﷺ کچھ نہ کر سکی مگر آپ نے ان دونوں کی توبہ کو ہزاروں کے لیے معافی کے لائق گردانا حدود وتعزیرات میں اصل سماجی انصاف فوری اور بلا غور وخوض ان کے اجراء میں نہیں بلکہ تدریج، مہلت دفع اور بالآخر معافی میں ہے کہ وہ تب احسانی ومثالی بنتا ہے۔[۱]

پانی کی تقسیم کا مسئلہ:

ہجرت مدینہ کے بعد کا ہی واقعہ ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے کھیتی باڑی کے لیے جو اراضی وقطاعات مہاجرین مکہ وغیرہ میں تقسیم کیے ان میں سے ایک قطعہ زراعت حضرت زبیر بن عوام اسدی رضی اللہ عنہ کو ملا اور وہ ایک انصاری صحابی کے کھیت سے پہلے آبپاشی کے ذریعہ کے قریب تر پڑتا تھا۔ آپ نے انصاری کاشتکار کی درخواست پر دونوں پڑوسی کھیتوں کی آب پاشی کا عادلانہ فیصلہ یہ فرمایا کہ حضرت زبیر اسدیؓ اپنے کھیت کو تھوڑا پانی دینے کے بعد انصاری صاحب کے کھیت کی کاشت کے لیے پانی چھوڑ دیا کریں۔ مدنی کاشتکار کو اس میں قومی جانبداری کا شائبہ نظر آیا اور انھوں نے اس کا برملا اظہار یوں کیا کہ آپ نے یہ فیصلہ اپنے عزیز وقریب کے مفاد کے تحت کیا ہے۔ آپ نے اس اظہار بے جا پر سخت رد عمل کا مظاہر کرتے ہوئے فرمایا کہ میں نے یہ فیصلہ خالص انصاف اور باہمی موانست اور احسان کی بنیادوں پر کیا تھا۔ اب خالص عدل وانصاف کا فیصلہ یہ ہے کہ زبیر اپنے کھیت میں مینڈوں تک پورا کھیت سیر اب کرنے کے بعد ہی پڑوسی کے کھیت کے لیے پانی چھوڑا کریں۔ انصاری کاشتکار کو اپنی غلطی کا احساس ہوا اور صحابہ کرام کی ملامت نے ان کو مجبور کیا کہ وہ سابق فیصلہ نبوی کو بحال کرنے کی درخواست کریں۔ صرف عدل وانصاف ظاہری کافی نہیں بلکہ احسانی معدلت گستری ہی مشکل کشا ہے جس میں طرفین کے مفادات عامہ کا بھی لحاظ کیا جاتا ہے۔[۲]

۱- بخاری، کتاب المحاربین من اهل الکفر، باب لایرجم المجنون، باب الرجم فی المصلی، مسلم، کتاب الحدود وغیرہ۔

۲- بخاری، کتاب المساقاۃ کے علاوہ فتح الباری، کتاب الصلح، ج ۵، ص ۳۸۰ ومابعد اور ج ۸، ص ۳۰۰ ومابعد بالترتیب میں ہے۔

اراضی واموال کی ملکیت:

زر، زمین اور زن کو حکماء وعقلاء نے بالعموم اسباب اختلاف اور باعث / بواعث نزاع وفساد میں شمار کیا ہے۔ وہ بالکل صحیح ہے۔ عہد نبوی میں ان اسباب فساد کے باعث نزاع ومقدمہ اور عدالتِ نبوی اور عدالت صحابہ کا ذکر بہت سے واقعات میں ملتا ہے، اراضی کے تنازعات کی چند مثالیں ہیں:

ایک بئروالی اراضی (کنوئیں سے ملحق مال) کے باب میں دو صحابہ کرام حضرت اشعث بن قیس رضی اللہ عنہ اور ان کے عم زاد میں ملکیت کا تنازعہ ہوا اور مقدمہ عدالت نبوی میں پہونچا۔ اصول شہادت وحلف کے مطابق آپ نے صحابی موصوف سے دو گواہوں کی شہادت طلب کی اور نہ پیش کرنے پر فریق مخالف کے قسم کھانے کا حکم دیا۔ حضرت اشعث رضی اللہ عنہ نے کہا کہ فریق مخالف تو جھوٹی قسم کھالے گا۔ آپ نے فرمایا کہ وہ تب غیظ وغضب الٰہی کا مستحق ہوگا۔ بہر حال یہ قضیہ صلح فریقین سے طے ہوا۔

اسی طرح کا ایک تنازعہ ملکیت اور دو اصحاب حضرات امرؤالقیس کندی اور ربیع بن عبدان حضرمی رضی اللہ عنہ کے درمیان ہوا کہ موخر الذکر غصب اراضی کا الزام لگا رہے تھے۔ آپ نے مدعی سے گواہی اور مدعاعلیہ سے قسم لینے کا اصول بیان کیا اور مدعی نے فریق مخالف کے جھوٹی قسم کھالینے کی بات کہی اور آپ کا فرمان بھی وہی تھا۔ روایات میں خاصا اضطراب وخلا ہے لیکن یہ مسئلہ غور طلب ہے کہ "شہادت وبینہ" کا ذمہ صرف مدعی پر اور "حلف وقسم" کا معاملہ مدعاعلیہ پر ڈالنا صرف ایک پہلوئے عدل ہے۔ عدل نبوی اور عدالت اسلامی تمام پہلوؤں پر غور کرکے عدل وانصاف کرنے کی پابند ہے اور وہی عدالت نبوی کا طریق محکم تھا۔ اصول مذکورہ سچے لوگوں اور پاکباز ملت میں جاری ساری رہے گا مگر جھوٹوں کی دنیا میں اور جھوٹے گواہوں اور غلط قسم کھانے والوں کے جہان میں گواہی اور ثبوت لازمی ٹھہریں گے۔ (1)

اولاد میں عادلانہ تقسیم مال کا ضابطہ:

ایک مالدار ومخیر صحابی بشیر بن سعد انصاری رضی اللہ عنہ نے اپنے چہیتے فرزند حضرت نعمان رضی اللہ عنہ کو ایک باغ اور اس کی اراضی اپنی زندگی میں ہبہ کردی۔ ان کی بیوی اور حضرت نعمان رضی اللہ عنہ کی ماں حضرت عمرہ بنت رواحہ

۱۔ مسلم، کتاب الایمان، باب وعید من اقتطع حق مسلم، حدیث حضرت وائل بن حجر کندی۔

خزرجی رضی اللہ عنہما نے اس عطیہ پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو گواہ بنالینے کی شرط اپنی رضاو قبولیت کے لیے رکھی۔ عدالت نبوی کے استفسار پر معلوم ہوا کہ ہبہ کرنے والے صحابی نے اپنی کئی اولادوں میں صرف ایک کو ترجیحاً باغ کا ہبہ دیا ہے تو آپ نے اسے ظلم قرار دے کر گواہ بننے سے انکار فرمایا اور اصول عدالت بیان کیا کہ یا تو سب اولاد کو برابر برابر مال ودولت کا عطیہ دو یا اس ظالمانہ ہبہ کو واپس لو۔ روایت میں اختلاف ہے لیکن یہ واضح ہے کہ حضرت بشیر رضی اللہ عنہ نے یا تو اس ہبہ کو واپس لے لیا تھا یا سب فرزندوں / اولاد کو مساوی مالیت کے باغات واراضی ہبہ کیے تھے۔ (۱)

قرض کا لین دین:

مالیات کی فراہمی کے ایک خود کار اور خود کفیل ذرائع ہوتے ہیں جن سے محنت وغیرہ سے مال ودولت حاصل ہوتی ہے اور دوسرے وسائل غیر سے حصول کے طریقے ہیں۔ بسا اوقات ان دونوں کی حد فاصل مٹ جاتی ہے اور خود پیداواری ذرائع کی کارکردگی جاری رکھنے کے لیے دوسروں کے مالی وسائل سے استفادہ کرنا ہی پڑتا ہے۔ تجارت، زراعت، صنعت جیسے مالیاتی اداروں میں خود کا سرمایہ اور محنت بنیادی ہوتا ہے مگر ان کے دائرہ ہائے کار کی وسعت وتوسیع کے سبب وسائلِ غیر کی مدد ناگزیر بن جاتی ہے۔ وسائل غیر میں قرض کا لین دین اسی سماجی اور معاشی ضرورت کے لیے تمام معاشروں میں جاری ساری رہا۔ خواہ وہ نقد ورقم کی صورت میں ہو، خواہ جنس وآلات کے صورت میں ہو قرض چاہے سودی ہو یا بلا سودی، حسنہ ہو یا استحصالی یا صرف احسانی اور رحمانی۔ اللہ تعالیٰ کو اہل ایمان قرآن مجید کے بقول قرض دیتے ہیں اور کئی گنا منافع واپس پاتے ہیں اور مغفرت کا مزید عطیہ پاتے ہیں۔ ﴿إِنْ تُقْرِضُوا اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا يُضٰعِفْهُ لَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ﴾ (۲) بسا اوقات صرف زندگی برقرار رکھنے اور جسم وجان کا رشتہ استوار رکھنے کے لیے قرض کا لین دین سماجی ضرورت بن جاتا ہے۔

عہد نبوی میں قرض کے لین دین کی تمام حسین واستحصالی اور انسانی ویہودی صورتیں جاری ساری تھیں، کہ معیشت واقتصاد ہی نہیں زندگی وسماج بھی ان پر منحصر تھیں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک احسانی سنت اور

۱۔ بخاری، کتاب الهبة، کتاب الشهادات/باب الهبة للولد وغیرہ؛ فتح الباری، ج ۵، ص ۲۶۰ومابعد؛ مسلم کتاب الهبات۔

۲۔ سورۃ التغابن: ۱۷۔

ملکوتی صفت جس کا ذکر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی بوقت تنزیل قرآنی تسلی و تشفی میں ملتا ہے دوسروں پر اپنا مال و دولت و محبت لٹانے کی تھی۔ دوسری سماجی ومالی سنت قرض لینے اور دینے کی بھی تھی۔ بنفس نفیس آپ اپنے لیے، اپنے اہل عیال کے لیے، اپنی امت کے لیے قرض لیتے اور ان کو ادا کرتے رہے، دوسرے افراد وطبقات کو بھی آپ نے اپنے مال ودولت سے قرض دیے اور ان سے واپس لیے۔ صحابہ کرام بھی اسی طرح معاشی وسماجی ضرورتوں سے قرض لیتے دیتے رہے۔ ان میں قرض حسنہ بھی شامل تھے تو بالعموم اہل ایمان واحسان سے لیے دیے جاتے تھے۔ اور ان میں انسانی ہمدردی، سلوک احسانی اور غیرت قومی بھی برابر کام کرتی تھی۔ مالدار یہودی اور مشرک افراد وطبقات سے لین دین سودی بنیادوں پر ہوتا تھا۔ متعدد مکی، یثربی، طائفی اور دوسرے مالدار مشرکین سودی کاروبار کرتے تھے جیسے یثرب / مدینہ کے یہودی قبائل اور دوسرے شمال وجنوب کے مالدار یہودی تحریم سود کے احکام تورات کے باوجود قرض کا لین دین صرف سود وربوا کی بنیاد پر ہی کرتے تھے۔ اس گناہ آلود کاروبارِ ربا میں نجران کے عیسائی بھی اپنی شریعت میں حرمتِ سود وربوا کے باجود ملوث تھے۔ اصلاً کسی دین وشریعت میں سود حلال کبھی نہیں رہا۔

سودی کاروبار کی بندش اور سودی قرض کے لین دین کی حرمت رسول اکرم ﷺ کو دین ابراہیمی، دین وشریعت موسیٰ وعیسیٰ علیہم السلام سے میراث میں ملی تھی۔ عہد جاہلی میں بہت سے افراد وطبقات اور قبائلی شیوخ وسردار سودی کاروبار کو حرام سمجھتے تھے اور اپنے دین ابراہیمی کے شعورِ پاکدامنی اور پاک دلی کی بنا پر اس سے بچتے تھے۔ یہاں تک کہ وہ طبقاتِ عرب سود خوراں جو اس کاروبار تلویث میں مال ودولت کی حرص میں گردنوں تک ڈوبے تھے اسے حرام ہی سمجھتے تھے اور نیک کاموں میں سودی مال یا سودی گندگی سے ملوث اموال لگانے سے احتراز کرتے تھے جیسے کہ خانہ کعبہ کی تعمیر کے وقت قریش کے مشائخ وسادات نے سب سے عہد لیا تھا کہ وہ اللہ کے گھر کی عمارت کاری میں سود آمیز مال نہیں لگائیں گے اور اس پر وہ کاربند بھی رہے تھے۔

قرض میں سود وربوا کی آمیزش چونکہ ایک فریق (قرضدار کی) دوسرے فریق (قرض خواہ / مالدار) کے استحصال کو لازم ہوتی تھی، لہٰذا وہ بہر حال حرام قرار دی گئی۔ رسول اکرم ﷺ کے سماجی عدل وانصاف اور اس سے بڑھ کر انسانی فلاح وبہبود اور انسانی سلوک وطریق کا ایک کارنامہ تو یہ ہے کہ ذات گرامی کو کبھی آلائش سے آلودہ نہ فرمایا، حتی کہ اس کا خیال خام بھی خاطر عاطر میں گزر نہ پاسکا کہ لوث ذہنی ہی عمل گندہ کی طرف لے جانے کا باعث بنتا ہے، ذات والا صفات اپنی ہیئت وساخت اور سرشت میں اس سے ہمیشہ منزہ ومبرا رہی اور آپ نے کبھی

سود دیا اور نہ لیا۔ قرض بھی بلا سود ہی دیا۔ اسی طرح صحابہ طاہرین و صحابیات طاہرات اپنی پاکیزہ سرشت کی وجہ سے عرب دینی براہیمی تربیت کی بنا پر سودی کاروبار اور سودی قرض لین دین سے پاک رہے۔

رسول اکرم ﷺ کا مالیات، خاص کر سودی کاروبار کے سلسلہ میں سماجی عدل وانصاف کا انسانیت نواز اور خیر و بہبود انگیز کارنامہ یہ ہے کہ آپ نے روز اول سے سود کو حرام قرار دیا۔ اور ہر مسلمان کو اسلام لاتے ہی اس کے لین دین سے اس طرح محفوظ کیا جس طرح کفر و شرک اور اس کی پروردہ حرام چیزوں سے کیا تھا۔ یہ بھی اصولی طور سے یاد رکھنے کی بات ہے کہ آپ نے تمام انبیائے کرام کی مانند اور ان سے بڑھ کر تمام طیبات کو حلال قرر دیا اور تمام خبائث کو حرام بتایا۔ اور سود ان میں سے اخلاق سوز، انسانیت کش اور فرد و سماج بلکہ پوری معاشرت کو برباد کرنے والی چیز ہے۔ بلاخوف تردید اور بلا نقل روایات و شہادات یہ بات پورے وثوق اور حقیقت شناسی سے کہی جارہی ہے کہ ہر شخص کو اسلام لاتے ہی دوسرے تمام گناہوں سے اور حرام چیزوں سے اسی طرح روکا جاتا تھا جس طرح شراب خوری، سود خوری، زنا و بدکاری، قمار بازی اور ہر طرح کی بازیوں سے روک دیا جاتا تھا۔ اسلام وایمان کی ایک شرط یہ بھی تھی کہ وہ شراب نہ پیئں گے اور نہ سود لیں گے اور نہ دیں گے۔ جن علماء و مفکرین اور سیرت نگاروں نے ایک مدت تک عہد نبوی میں شراب خوری اور سود خوری کی اجازت و حلت بیان کی ہے یا ان کی تحریم کے مرحلے بیان کیے ہیں ان کو غلط فہمی لگی ہے۔ اس پر بحث کہیں اور خاص مفصل و مدلل کی جاچکی ہے۔ اس کا یہاں موقعہ نہیں ہے۔

شراب خانہ خراب اور دوسری حرام چیزوں سے زیادہ سود خوری سماجی عدل وانصاف کے نفاذ و قیام کی راہ میں سب سے بڑھ کر روڑہ بلکہ قاطع حیات شے تھی۔ اسی بنا پر آپ نے دوسرے ادیان، پیروان یہودیت و نصرانیت وغیرہ، کے ساتھ سودی کاروبار کرنے یا سود و ربوا کی بنا پر قرض لینے دینے سے قانونا روک دیا۔

مکی و قریشی عہد نبوی میں رسول اکرم ﷺ نے مشرکین عرب و قریش کو سودی کارو بار سے روکا۔ انھوں نے نہ مانا یہ دوسری بات تھی کہ آپ کو اس وقت ریاستی طاقت اور سرکاری قانونی قوت حاصل نہ تھی۔ مدنی دور میمون میں آپ نے یہودی قبیلوں سے انصار کرام کے بعض یا متعدد افراد و طبقات کو قانونا اور حکماً یہودی قرض خواہوں کو سود نہ ادا کرنے کا حکم دیا اور غزوات بنی قینقاع اور بنی نضیر میں انصاری قرضداروں نے اپنے اپنے یہودی قرض خواہوں کے راس المال (اصل مال) تو واپس کیے مگر سود دینے سے انکار کیا۔ نجران کے عیسائی / نصرانی

طبقات سے صلح کی شرائط میں سے ایک یہ بھی تھی کہ وہ سودی کاروبار نہ کریں گے۔ یہ ریاست مدینہ اور اس کے سربراہ کا اسلامی حکم تھا۔ [1]

قرض حسنہ واحسانی:

بلاسود قرض کو احسانی قرض نظام میں بدلنے کا طریق حکمت وسماجی عدالت نے یہ قائم کیا کہ آیات قرآنی کے مطابق قرض دار کو مہلت دلوائی اور قرض خواہ کو اپنے دینی بھائی یا اپنے سماجی عزیز اور ساکن ہم وطن کو آسانی سے قرض ادا کرنے کی سہولت دینے پر آمادہ کیا اور ان کے اخلاق وایمان اور جذبۂ خیر کو اس پر ابھارا۔ اس کی ایک صورت یہ تھی کہ قرض کی رقم کو بالاقساط لینے دینے پر طرفین کو راضی کیا۔ ایک سے زیادہ واقعات صحابہ اور ان کے یہودی قرض داروں یا مسلم قرض خواہوں کے ملتے ہیں، مثلاً حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کو ان کے یہودی قرض خواہ سے فصل آنے تک مہلت دلائی اور بوقت فصل خود آپ نے اس کا قرض جنس / کھجور کی صورت میں ادا کروایا۔

قرض احسانی کے دو تین واقعات بہت اہم ہیں اور وہ اس باب مالیات میں سماجی عدل وسلوک کے نہایت اہم اور روح پرور علائم ہیں:

1- اس پوری بحث کے لیے کتاب خاکسار "مکی عہد نبوی میں اسلامی احکام کا ارتقا" باب سود وربوا ملاحظہ ہو۔ نیز مقالہ خاکسار بھی جس کا عنوان ہے: "اسلام میں ربا کی تحریم- مختلف جہات کا تنقیدی تجزیہ"۔ مشمولہ مقالات سیمینار "معاشی مسائل اور قرآنی تعلیمات"، ادارہ علوم القرآن علی گڑھ ۲۰۱۱ء، نیز دوسرے مقالات۔

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ پر دراصل ان کے والد کا لیا ہوا قرضہ تھا، جس کا تقاضا غرما / قرض خواہ کرتے تھے۔ یہ پورا واقعہ حدیث بخاری: ۲۳۹۵ میں ہے۔ ان احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ نے ان کا قرض ادا کرانے میں مدد کی۔ حدیث بخاری ۲۴۰۵ میں بہت دل چسپ واہم اضافہ ہے۔ مختلف قرض خواہوں نے جب حضرت جابر رضی اللہ عنہ کو ان کے باپ عبد اللہ بن عمرو بن الجموح رضی اللہ عنہ کے قرضوں کی ادائیگی پر اصرار کیا تو فرزند سعادت مند نے کچھ قرض معاف کردینے کی التجا کی، مگر انھوں نے انکار کردیا۔ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے معاف کرانے کی سفارش کروائی، تب بھی وہ انکاری رہے۔ آپ نے فصل کے پکنے پر مختلف کھجوروں / اقسام تمر کے الگ الگ ڈھیر بنانے کا حکم دیا، پھر اپنے قرض خواہوں کے بلانے کا حکم دیا۔ آپ بھی وہاں تشریف لے گئے اور بیٹھ گئے۔ ہر قسم کے ڈھیر سے، ان میں سے ہر ایک کا قرض پورا پورا ادا کیا گیا پھر بھی ساری فصل جوں کی توں بچ گئی۔ یہ معجزہ الٰہی اور کرامت نبوی کی فصل تھی۔ ادائے دین کی یہ سماجی عدل گستری تھی جو اخلاص ونیت صالح پر اتری تھی۔

حضرت ابن ابی حدرد رضی اللہ عنہ نے ایک مالدار صحابی حضرت کعب بن مالک خزرجی رضی اللہ عنہ سے ایک مدت کے لیے قرض لیا لیکن بروقت ادا نہ کر سکے۔ دونوں فریق اس معاملہ پر الجھ پڑے اور ان کی آوازوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سمع خراشی کی اور آپ نے از خود اقدام فرمایا اور دونوں میں صلح کرادی۔ روایات کے مطابق آپ نے قرض دہندہ کو راضی کر لیا کہ وہ آدھا قرض ابھی لے لیں او. آ.ھا بعد میں۔ اس سے بڑھ کر دوسرا موقف احسانی یہ آپ نے تجویز کیا کہ حضرت کعب رضی اللہ عنہ صرف قرض کی آدھی رقم فوری طور سے قبول کر لیں اور آدھا قرض معاف کر دیں۔ قرضدار فریق تو راضی برضا تھے ہی حضرت کعب رضی اللہ عنہ جیسے صاحب خیر وبہبود نے اسے بطیب خاطر قبول کر لیا۔ یہ قرض احسانی کی ایک انسانیت نواز اور سماجی عدل کی آدھی سطح تھی۔ (۱)

ایک صحابی کریم وجلیل حضرت ابوالیسر رضی اللہ عنہ نے کسی شخص کو قرض دیا مگر قرض دار ان سے کتراتا اور وہ جب اس کے گھر تقاضا کرنے جاتے تو وہ چھپ جاتا تھا۔ صحابی عظیم وجلیل نے اپنے قرض دار کی شرمندگی وخجالت اور مجبوری کا احساس کیا اور آخری بار جب وہ تقاضے کے لیے ان کے گھر گئے اور وہ چھپ گئے تو بلند آواز سے کہا: اگر اس مہلت کے بعد بھی وہ اسے ادا نہ کر سکے تو قرض سب کا سب معاف ہے۔ یہ عدل سماجی نبوی کا پرتو تھا جو عدالت صحابہ میں ظہور پذیر ہو کر سماجی عدل وانصاف سے اسلامی معاشرہ کو ملکوتی واحسانی بناتا تھا۔ (۲)

قرض کا لین دین بعض افراد وطبقات کی نظر میں غیر محتاط یا غیر ضروری ہے، لیکن وہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک مالی سنت اور سماجی عدالت بھی ہے۔ آپ نے بطور قرض رقم وجنس لینے دینے کی وکالت وحمایت کی، مگر بشرط ضرورت واحتیاج، محض دوسروں کا مال لینے اور اسے ہڑپنے کا طریق نہیں تجویز کیا، بلکہ اسے حق مسلم وحق عبد قرار دے کر قرضدار کی ذمہ داری، دنیاوی فلاح اور اخروی بہبود کی شرط قرار دیا۔ غصب اور قرض میں فرق بہت واضح ہے اور اس طرح قرض حسنہ اور قرض استحصالی میں فرق ہے۔ بسا اوقات قرضدار اپنے محسنوں کا استحصال کرتے ہیں اور وہ سماجی انصاف کو برباد کرتے ہیں۔

۱- بخاری، **کتاب الصلوٰۃ**، باب التقاضی والملازمة فی المسجد؛ **فتح الباری**، ج ۱، ص ۷۱۵-۷۱۳۔

۲- مسلم، **کتاب الزهد**، باب حدیث جابر رضی اللہ عنہ ۔۔۔الخ۔

غیر مسلموں کے ساتھ عدل وانصاف:

امامِ عدالت واحسان، سید المرسلین اور خاتم النبیین ﷺ اپنی ذات والاصفات میں ودیعت کردہ عدل گستری کی بنا پر صرف انصاف ہی کر سکتے تھے اور ناانصافی کا شائبہ تو خیال خاطر والا میں بار بھی نہ پاسکتا تھا۔ سیرت وکردار کا یہی کمالِ معدلت تھا کہ اپنی ذات سے عادلانہ انتقام لیتے تھے۔ قرآنی احکام الٰہی نے معاشرہ عرب میں اپنوں، بیگانوں، دوستوں، دشمنوں، عزیزوں اور مسلمانوں، غیر مسلموں سب سے عدل وانصاف کرنے کا اصول وطریق عطا کیا تھا۔ سرشتِ مطہرہ اور ذاتِ پاکیزہ میں اندرونی عادلانہ جلوہ آرائیوں نے وحی الٰہی کی خارجی نیرنگیوں سے مل کر عدل معاشرتی کا وہ تصور وعملِ نبوی اور انصافِ سماجی کا وہ طریق ومعیارِ محمدی بروئے کار لائیں جس کو دیکھ کر دشمنان جان وایمان تک گواہی دیتے کہ یہی وہ عدل وانصاف ہے جس کی وجہ سے آسمان وزمین قائم ہیں۔ اصل یہ ہے کہ ارض وسما کا قیام ونظام ان کے اختیار کے بغیر اور کارساز اعلیٰ کی عادلانہ کاریگری کے سبب قائم ہے۔ خاتم الانبیا ﷺ کا سماجی عدل وانصاف اختیارِ بشر ورسول کے وسیع عریض دائرے اور امکان وعمل کے مشکل دائروں میں کاریگری کرتا ہے۔

غیر مسلموں کے ساتھ رسول اکرم ﷺ کا سماجی عدل وانصاف ایک وسیع تر تحقیق کا متقاضی ہے اور دفتروں کی وسعت کا طالب۔ مختصر یا مطول مقالے کی تنگنائے ظرف میں اس کی سمائی قلم بشر اور رقم ناقص کی سیرت نگاری کی کوشش وکاوش کی تنگ دامانی کی مانند مشتے از خروارے ہے۔ مطالعہ سیرت اور تحقیق حیات طیبہ سے پتہ چلتا ہے کہ رسول اکرم ﷺ کی غیر مسلموں کے باب میں معدلت گستری کا سلسلہ مکی دور سے مدنی عہد تک دراز ہے۔ قبل بعثت، بقول امام ابن اسحاق، توفیق الٰہی نے آپ ﷺ کو حق وصحیح کی تمیز وترجیح کی دولت سے نوازا تھا، جو قلب نبوی میں اندرون سے ابھرتی اور خارج میں الہام والقا سے استفادہ کرتی۔ بعثت ونبوت کے بعد کار رسالت کا تقاضا ہی عدل گستری تھا۔ مکی دور میں نہ صرف قریشی عزیزوں اور مکی عربوں سے واسطہ پڑا تھا بلکہ حبشی، ایرانی، یمنی، عیسائی اور یہودی عناصر وطبقات سے بھی ارتباط رہا تھا۔ وہ تجارتی، شخصی، دینی، سماجی، مالی، اقتصادی اور تہذیبی نوعیتوں کو محیط تھا۔ بلا خوفِ تردید کہا جاسکتا ہے کہ اپنی عالمگیر نبوت ورسالت اور کامل وآخری کتاب وشریعت کی طرح ہمہ گیر وہمہ جہت تھا۔ مدنی عہد نبوی میں مسلم اقلیت کے سربراہ اور انسانیت کے معلم اور اللہ رب العالمین کے آخری نبی اکرم ﷺ کے ساتھ ساتھ ایک اسلامی ریاست اور ایک خالص اسلامی

معاشرت و تہذیب کے بانی مبانی اور سربراہ و منتظم کی قوت نافذہ اور سیاسی طاقت سے بھی معدلت گستری فریضہ و عمل بن گیا تھا۔ وہ قولی اور عملی سماجی انصاف بھی تھا۔ قانونی و تشریعی عدل وقسط بھی تھا۔ سیاسی اور سماجی اداروں اور تقاضوں میں کارگزاری کرنے والا بھی تھا۔ مال و معیشت، اقتصاد و تجارت، لین دین، قرض وسلوک سے متعلق بھی تھا، اور تہذیب و تمدن کے مختلف ابواب وعناوین سے بھی اسی طرح وابستہ تھا۔[1] وقت وظرف کی تنگ دامانی کی وجہ سے صرف چند عناوین و موضوعات کے تحت غیر مسلموں سے عدل وانصاف نبوی کا سماجی منظرنامہ پیش کیا جاتا ہے۔

عہد مکی کا ایک انقلابی اصولِ عدل:

بالعموم اس سماجی عدل وانصاف کے رجحان ساز، روح پرور اور انسانیت نواز اور عدل پرور واقعہ کا ذکر ایک محدود دائرہ و مفہوم میں کیا جاتا ہے مگر وہ اپنی گوناگوں جہات اور عظیم الشان ابعاد کی وجہ سے رسول اکرم ﷺ کی سماجی عدل گستری اور صحابہ کرام کی معاشرتی عدالت کے ساتھ اشراف قریش کے حسن خیال و عمل کا بھی ایک اثبات ہے۔ اس پر بحث و مباحثہ بعد میں پہلے اصل واقعہ عدالت وانصاف۔

صحابی جلیل حضرت عبدالرحمن بن عوف زہری رضی اللہ عنہ نے اپنے دیرینہ دوست، شریکِ تجارت اور ندیم امیہ بن خلف جمحی سے ہجرت مدینہ سے قبل ایک معاہدہ کیا۔ قریش مکہ کے دو زعماء تجارت و معیشت اور شہر حرام کے دو بااثر مشائخ کے درمیان وہ کثیر المقاصد اور وسیع الجہات تحریری معاہدہ اذن نبوی سے کیا گیا تھا۔ اس کی دفعات ومبادیات کے مطابق دونوں فریق ایک دوسرے کی، ان کے اہل وعیال کی حفاظت اور فریقین کو اپنے اپنے علاقہ وشہر میں جانی ومالی تحفظ فراہم کرتے، ان کی تجارتی مساعی اور مفادات کی حفاظت کرتے، سماجی طور سے ایک دوسرے کی اپنے اپنے علاقوں اور شہروں میں خاطر داری اور تواضع وامداد کرتے۔ یہ باہمی معاہدہ مدافعت وتحفظ

۱۔ متعدد مباحث کے تعلیقات و حواشی پہلے گزر چکے ہیں۔ غیر مسلم طبقات واقوام سے نبوی روابط اور ان کے حسن وکمال معدلت کا ذکر متعدد کتب و مقالات خاکسار میں آچکا ہے جیسے: مکی اسوہ نبوی، عبدالمطلب ہاشمی - رسول اکرم کے دادا، اسلامک بک فاؤنڈیشن نئی دہلی ۲۰۰۴ء، عہد نبوی میں قریش وثقیف کے تعلقات، سیرت چیر وفاقی اردو یونیورسٹی، کراچی ۲۰۱۵ء، تاریخ تہذیب اسلامی، جلد اول ، قاضی پبلشرز نئی دہلی ۱۹۹۴ء، عہد نبوی کی ابتدائی مہمیں، عہد نبوی میں تنظیم ریاست و حکومت، قاضی پبلشرز نئی دہلی ۱۹۸۵ء (نیا ایڈیشن ۲۰۱۶ء) وغیرہ، عہد نبوی کا تمدن، اسلامک بک فاؤنڈیشن نئی دہلی ۲۰۱۰ء۔

اس سماجی اور سیاسی اور دینی پس منظر میں کیا گیا تھا جب ایک فریق صحابی اور دوسرا معاند نبوی تھا۔ دونوں میں اسلام کی وجہ سے اتنی سماجی بیگانگی اور معاشرتی بے لطفی پیدا ہوگئی تھی کہ کافر و مشرک فریق حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہ کو ان کے اس نئے اسلامی نام سے پکارنا پسند نہ کرتا اور وہ ان کو ان کے پرانے مشرکانہ نام عبد عمرو سے مخاطب کرتا اور حضرت صحابی جلیل حمیت اسلامی میں اس پر کان نہ دھرتے۔ دونوں میں بحث و تکرار بھی ہوتی۔ آخر کار بڑی تمحیص و تحفظ کے بعد اس پر مصالحت ہوئی کہ وہ ان کو "عبد الہ" کے نام سے پکارے گا اور وہ اس کو سنیں گے۔ لفظ "رحمن" باعث خلجان کافری تھا۔ اس سے بڑا سبب مناقشہ وافتراق یہ تھا کہ امیہ بن خلف جمحی تمام تر قرابت کے باوجود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا سخت موذی دشمن تھا اور اسلام کا شدید ترین مخالف وہ اور اس کا بھائی ابی بن خلف جمحی بر سر عام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نہ صرف مخالفت کرتے بلکہ آپ کو اور آپ کے اصحاب کو ایذا دیتے اور قتل نبوی کے ارادے باندھتے۔ اس کے باوجود دونوں دوستوں اور تجارتی شریکوں میں یہ معاہدہ موانست و تحفظ کیا گیا اور باقاعدہ تحریر میں لایا گیا۔ غالباً اس پر گواہوں کے دستخط بھی ثبت تھے اور علم تو سب کو تھا۔ غزوہ بدر میں امیہ بن خلف جمحی اپنے فرزند علی بن امیہ جمحی اور برادر اخبث وغیرہ دوسرے معاندین کے ساتھ شریک ہوا اور سخت جنگ وجدال میں پورا حصہ لیا۔ صحابی جلیل نے خدشات و خطرات کے پیش نظر دونوں مشرکوں کو اپنی حفاظت میں لے لیا اور رات کی تاریکی میں لوگوں کے سونے کے بعد امیہ کو پہاڑ میں کسی محفوظ جگہ لے جارہا تھے کہ امیہ کے دشمن حضرت بلال بن رباح حبشی رضی اللہ عنہ نے ان دونوں دشمنان جانی کو دیکھ لیا جو مکہ مکرمہ میں ان پر سخت مظالم کرتے رہے تھے۔ انھوں نے اپنے رفقاء اور مجاہدین کے ساتھ ان دونوں کو قتل کرنے کی کوشش کی۔ صحابی موصوف نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ اور ان کے انصاری رفقاء کے تعاقب کو دیکھ کر علی جمحی رضی اللہ عنہ کو پیچھے چھوڑا تاکہ لوگ اس میں مشغول ہو جائیں اور وہ امیہ کو بحفاظت نکال لے جائیں مگر وہ ان کے تعاقب میں لگے رہے۔ حضرت عبدالرحمن زہری رضی اللہ عنہ اور ان کے دوستوں نے ان دونوں معاندین و مشائخ قریش کی حفاظت اپنی سی تمام سعی کی مگر بلال رضی اللہ عنہ نے ان کی ٹانگوں میں گھس کر ان کو قتل کر ہی دیا۔ حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہ کو اس مجاہدہ میں سخت زخم آئے جس کو وہ بعد میں دکھایا کرتے تھے۔ ان کو اپنے معاہدہ کی پاسداری نہ کرسکنے کا بے انتہا قلق تھا اور حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ سے سخت شکوہ بھی۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس واقعہ جہاد و مجاہدہ کو تسلیم کر لیا کہ اس کے سوا اور کوئی چارہ نہ تھا۔

غیر مسلموں سے سماجی روابط اور مسلم و غیر مسلم تعلقات میں عدل گستری کی جہت سے اس معاہدہ تحفظ و سلامتی کے بعض اہم اطراف ہیں:

امام بخاری و دیگر محدثین نے اس معاہدہ کا ذکر حسب دستور مختلف کتب کے الگ الگ ابواب میں کیا ہے اور ان کی اہمیت وفقاہت و حکمت اجاگر کی ہے۔[1] وکیل، دار الحرب اور دار الاسلام کی اصطلاحات بعد کی امام موصوف کے زمانے کی ہیں۔ کتابت معاہدہ کے وقت مکہ مکرمہ مقام تھا۔ وہ دار الحرب نہ تھا اور دار الاسلام کا الگ سے وجود نہ تھا۔ معاہدہ کا اطلاق بلا قید زمان و مکان فریقین کی حیات تک تھا اور وہ اطلاق اور قانونی حیثیت وطن مالوف و مہجور سے دار الھجرۃ اور دار الاسلام تک وسیع ہو گئی تھی۔

امام المحدثین سے سو سال قبل امام سیرت و حدیث ابن اسحاق نے اپنی سند متصل سے حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث بعض قیمتی تفصیلات کے ساتھ بیان کی ہے۔ "امیہ بن خلف ان کا مکہ کا دوست (صدیق) تھا۔ میرا نام عبد عمرو تھا اور اسلام لانے کے بعد میں نے عبد الرحمن مکہ میں ہی رکھ لیا تھا۔ امیہ جب مجھ سے ملتا تو عبد عمرو کہہ کر مخاطب کرتا اور کہتا کیا تم نے اپنے والدین کا تسمیہ / نام چھوڑ دیا ہے۔ میں کہتا: ہاں۔ وہ کہتا: میں "الرحمن" کو نہیں جانتا لہذا اپنے اور میرے مابین ایسا کچھ نام رکھ لو جس سے میں تمہیں مخاطب کروں کیونکہ تم اپنے اولین نام پر جواب نہیں دیتے اور جس کو میں جانتا نہیں اس نام سے میں تم کو پکاروں گا نہیں۔ میں نے کہا: اے ابو علی، تم جو چاہو نام رکھ لو۔ اس نے کہا تم کو عبد اللہ سے پکاروں؟ میں کہا: ہاں۔ لہذا جب میں اس سے ملتا یا گزرتا وہ مجھے عبد اللہ کہہ کر پکارتا اور میں اس سے بات چیت کرتا۔[2]

ابن اسحاق میں غزوہ بدر میں ان دونوں کے قتل اور حضرت عبد الرحمن رضی اللہ عنہ کے بچانے اور اپنی سلب ادراع اور قیدیوں کے فدیہ سے محروم رہنے کی تفصیل کافی مختلف ہے۔ اس میں معاہدہ کی کتابت اور اس کی شروط کا ذکر بھی نہیں ہے۔

۱- كتاب الوكالة، باب اذا وكل المسلم حربيا فى دارالحرب او فى دارالاسلام جاز، كتاب المغازى باب قتل ابى جهل، بالترتیب احادیث: ۳۹۷۱، ۲۳۰۱۔ موخر الذکر بہت مختصر ہے اور صرف معاہدہ کی کتابت اور قتل امیہ بن خلف و علی جمحی اور نعرہ بلالی کا ذکر کرتی ہے۔ اس باب اول میں حربی کو مسلم کے وکیل بنانے کا خواہ دار الحرب میں ہو یا دار الاسلام میں جواز کا فتویٰ دیا ہے

۲- بخاری / فتح البارى، مذکورہ بالا؛ ابن اسحاق / ابن ہشام، ج ۲، ص ۱۸۰-۱۷۹: مقتل امية بن خلف؛ واقدی كتاب المغازى، مرتبہ مارسدن جونس، عالم الکتب بیروت ۲۰۰۶ء ۹۲-۹۱ ومابعد: متعدد و متصادم روایات۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے اپنی شرح بخاری کے دونوں ابواب وکتب میں خاصی تفصیلات دی ہیں۔ ان میں دونوں مشرکوں کے قتل میں شریک مجاہدین اسلامی کے اسماء ہیں۔

امام سیرت وحدیث واقدی نے کتاب المغازی میں امیہ بن خلف جمحی کے قتل کے حوالے سے ابن اسحاق والی روایت اپنی سند سے معمولی لفظی اختلافات کے ساتھ نقل کرنے کے بعد کئی اور روایات بھی نقل کی ہیں۔ ان میں قتل مشرک کے علاوہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام میں سے بعض اکابر سے اس کے تعلقات سماجی کا پتہ چلتا ہے۔ دوسرے مصادر سیرت وحدیث سے بھی متعدد معلومات اور قیمتی جہات کا سراغ ملتا ہے۔ ان سب سے سماجی تعلقات میں نبوی عدل گستری اور اسلامی وسیع القلبی کا جو جہان محبت وآشتی اور ظرف موانست ویگانگی ملتے ہیں، وہ قرآن کریم کی آیات عدل معاشرتی بالخصوص دشمنی وعداوت کے باوجود انصاف پسندی اور عدل خیزی کرنے کے اطلاق عام کا اثبات کرتے ہیں۔ ان میں سے چند زاویے بہت اہم ہیں:

اول: یہ کہ اختلاف عقائد اور تصادم مذاہب کے باوجود سماجی تعلقات اپنے وسیع ترین تناظر میں اور بلند ترین پیمانے پر قائم کرنے ہی کے لیے نہیں ان کو استوار وتابندہ کرنے کے لیے بھی اور ان کو مزید استحکام دینے اور دوسرے افراد وطبقات امت وملت کے لیے مثال بنانے کی حتی الامکان کوششیں کرنی لازمی ہیں۔ صحابہ کرام نے اوران کے آقا ومولیٰ نے اپنے کافر عزیزوں او موذی اقربا کے ساتھ سماجی تعلقات نہ صرف جوڑے رکھے بلکہ ان کو ہر طرح استحکام بخشا۔ اسلام اسی بناپر سماجی تعلقات منقطع کرنے کی اجازت نہیں دیتا حتی کہ کھلی دشمنی اور برملا مخالف مذہب ودین کی صورت میں بھی ان کو بنائے رکھنے کی سفارش کرتا ہے اور یہ توکفر وشرک کے ماروں کا وتیرہ تھا اور ہمیشہ رہا ہے کہ وہ اختلاف دین وعقیدہ کی بناپر سب سے پہلے سماجی تعلقات اور معاشرتی روابط یہاں تک کہ خون وگوشت کے رشتوں کو کاٹ کر پھینک دینے کی سب سے پہلے کوشش کرتے ہیں جیسا کہ بیشتر موذی اکابر مکہ اور طبقات مشرکین نے کیا تھا۔

دوم: یہ کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف یاوہ گوئی، دشنام طرازی، تکلیف دہی، ستم رانی اور آخر کار قتل وغارت گری اور دربدر کرنے کی تمام مجرمانہ سازشوں اور غیر انسانی حرکتوں کے باوجود صحابی جلیل حضرت عبدالرحمن بن عوف زہری رضی اللہ عنہ نے ایک بدقماش موذی رسول سے دیرینہ دوستی کے تعلقات استوار رکھے، اس کے ساتھ مجالست وموانست جاری رکھی۔ اور قرب وقرابت کے سماجی روابط

بر قرار رکھے اور جلاوطنی سے ذرا قبل اس سے ایک دوسرے کے مال ومنال اور خاندان واعزہ کی حفاظت ومدافعت کا ایک نیا اور تحریری معاہدہ کیا جو دونوں قریوں کے علاقوں میں کارگرو کارساز تھا۔ اور جنگ وجدال کے زمانے میں اسی معاہدہ تحفظ ومدافعت کی پاسداری میں مسلم صحابی نے کافر ومشرک حملہ آور کی شکست کے بعد جانی ومالی تحفظ کی سرتوڑ کوشش کی۔ اپنے ہم مذہبوں اور محبت ورافت کے ساتھیوں کی مخالفت مول لی اور کافر دوست ندیم کی حفاظت میں اپنی جان جوکھم میں ڈال دی اور کاری زخم کھائے۔ یہی وہ مشرک موذی تھا، جس نے ایک بے بہا گھوڑا خرید کر اسے بہترین چارہ کھلاتا تھا، تاکہ وہ فربہ اور تیز رفتار ہو جائے اور وہ اس پر سوار ہو کر رسول اکرم ﷺ سے جنگ کرے اور آپ کو قتل کرے۔ یہ اس کے دل کی چھپی ہوئی آرزو اور تمنائے پوشیدہ نہ تھی۔ وہ برملا آپ کو قتل وجدال کی دھمکی دیا کرتا تھا اور اس کے جواب میں آپ عمل مکافات کا اظہار فرماتے کہ آپ ہی اس کا کام تمام کریں گے اور وہ آپ کی صدق وصفا کی وجہ سے ہراساں تھا کہ وہ خود سچ مچ مارا جائے گا اس لیے وہ غزوہ بدر میں جانے سے گریزاں تھا مگر قوم کے دباؤ میں حالات کے جبر سے گیا اور بشارت نبوی کے عین مطابق تہہ تیغ ہوا کہ تیغ بلالی میں جلال نبوی کی جلوہ گری تھی۔

اس ضمن میں ایک اور صحابیِ جلیل حضرت سعد بن معاذ اوسی رضی اللہ عنہ مدنی کے امیہ بن خلف جمحی سے تعلقاتِ مہر ووفا اور روابطِ کاروبار وصفا کا ذکر بھی مناسب ہے۔ دونوں دوست اور تجارتی شراکت کے ندیم تھے۔ ایک دوسرے کے علاقہ میں جاتے تو ایک دوسرے کے گھروں میں قیام کرتے اور ان کی مدارات سے شادکام ہوتے۔ غزوہ بدر سے قبل مدنی صحابی مکہ مکرمہ عمرہ کے لیے گئے تو اپنے مکی مشرک ندیم کے مہمان رہے اور اس کی حفاظت اور نگہداشت میں عمرہ کے مناسک ادا کیے۔ راستہ میں فرعون امت ابوجہل مخزومی سے اچانک مڈبھیڑ ہوئی تو اس نے نہ صرف رسول اکرم ﷺ کو مدینہ میں پناہ وتحفظ دینے پر سختی سے کلام کیا بلکہ اہل مدینہ کے لیے حج وعمرہ اور زیارت کا راستہ بند کرنے کی بھی دھمکی دی۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے جواب میں اس کی سخت کلامی اور دھمکی کا ترکی بہ ترکی جواب دیا اور قریش کی شامی تجارت کا راستہ بند کرنے کا صاف اشارہ دیا جس سے وہ اور زیادہ تلملا گیا۔ امیہ بن خلف جمحی نے دونوں کو ٹھنڈا کیا اور معاملہ رفع دفع کیا۔ اس واقعہ میں سماجی انصاف اور عدل گستری کا یہ پہلو ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے اپنے مدنی صحابی کو اپنے ایک موذی مشرک مکی شیخ سے سماجی وتجارتی روابط برقرار رکھنے کی اجازت دی اور ان پر قیام کے دوران خانہ مشرک کی مداراتوں سے نہ روکا اور حضرت صحابی

اختلاف فکر و دین کے باوجود نہ رکے۔ ان کو بھی امیہ بن خلف جمحی جیسے موذی کی حرکات ناشائستہ اور مجرمانہ سازشوں کا علم تھا، بلکہ ایک روایت کے مطابق انھوں نے ہی اس کو رسول اکرم ﷺ کی وعید قتل کی خبر سنائی تھی اور اسے وحشت زدہ کر دیا تھا۔ اس کے باوجود مدنی صحابی اور مکی مشرک، مسلم جاں نثار اور کافر دشمن جاں کے درمیان سماجی یگانگت کے تعلقات بر قرار رہے۔ یہ نبوی سماجی عدل وانصاف کا بلند ترین آدرش ہے۔[(1)]

سوم: سماجی انصاف اور معاشرتی عدل کا عام قانونی اور روایتی پیمانہ بہت ہی محدود و مختصر ہے اور اس میں صرف پہلوئے منفی کی سمائی ہے۔ رسول اکرم ﷺ کی عدل گستری اور آپ کے صحابہ کرام کی عدالت پروری نے اسلام کا ایک وسیع وبلند ترین معیار قائم کیا اور اسے مثالی بنا دیا۔ وہ انسانیت نواز ہے، اکرام بندگان رب العالمین کی ضمانت ہے، دینی داعی اور وحدت فکری کے بلند اقبال کا اعلان ہے کہ عدل الٰہی اور عدل نبوی سب کے لیے سایہ رحمت ہے۔ اسی وجہ سے آپ کی صفت عالمگیر رحمۃ للعالمین قرار دی گئی کہ رحمن ورحیم رب العالمین کے پرتو عدل وانصاف گستری ہے۔ اسے قرآنی اور نبوی زبان میں داعی و مدعو کے درمیان عدم ارتباط اور حجاب تعبیر کیا گیا ہے۔ دعوت اور دین کسی حجاب اور روک ٹوک کو قبول نہیں کر سکتے۔

خالص قانونی اور معاشرتی ومالی عدل نوازی کا وہ مشہور واقعہ ہے کہ خیبر کی پیداواروں کی تقسیم کے وقت رسول اکرم ﷺ کے سفیر و نمائندے حضرت عبداللہ بن رواحہ خزرجی رضی اللہ عنہ مدینہ سے خیبر جاتے اور پیداواروں / فصلوں کے دو دو برابر کے ڈھیر بناتے اور پھر یہودی کاشتکاروں اور بٹائی والوں سے کہتے کہ وہ جس کو چاہیں لے لیں، دوسرا اسلامی و نبوی حصہ ہو گا۔ ان کے حسن عدل وانصاف پر خیبر کے عام باسیوں کے علاوہ ان کے اکابر واحبار بھی بے ساختہ پکار اٹھتے کہ یہی وہ عدالت گستری ہے جس کی وجہ سے آسمان وزمین اپنے محور پر قائم ہیں۔ یہ شہادت اعداء تھی۔ حضرت عبداللہ بن رواحہؓ ایسا مثالی انصاف وعدل کرنے کے لیے زیادہ دنوں نہیں جیے۔ اوران کے جانشین عمال نبوی نے ان کا کام وطریق معدلت سنبھال لیا اور روایات کے مطابق وہ بھی اسی طرح

۱۔ ابن ہشام، ج ۲، ص ۳۴۹ وغیرہ؛ بخاری / فتح الباری، ج ۷، ص ۳۵۵-۳۵۱: حدیث ۳۹۵۰؛ واقدی، ص ۶۲-۶۱ ومابعد۔ محمد بن حبیب بغدادی، کتاب المحبر، اردو ترجمہ ڈاکٹر محمد حمید اللہ، قرطاس، کراچی ۲۰۱۱ء، ص ۲۹۴، نے ایک خاص فصل میں ان عورتوں کا ذکر کیا ہے، جو مسلم شوہروں سے طلاق کے بعد اپنے کافر شوہروں سے جاملیں تو رسول اللہ ﷺ نے ان کا مہر اپنے پاس سے ادا کیا۔

انصاف کے دونوں پلے برابر رکھتے رہے اور غیر مسلم / یہودی کاشتکاروں اور ان کے عالموں کے لیے مثال بنتے رہے۔ رسول اکرم ﷺ کی عدالت گستری اور انصاف پروری صرف ذات عالی تک محدود نہیں تھی۔ اور صرف آپ کی ذات والا صفات سے سب کو فیض نہیں پہونچا تھا بلکہ آپ نے اپنے صحابہ کرام اور صحابیات طاہرات کے دلوں میں بھی عدل وانصاف ذاتی وسماجی کا ایسا ملکہ پیدا کر دیا تھا کہ وہ عدالت صحابہ نہ صرف ایک اصول وعقیدہ بن گئی بلکہ ایک ضرب المثل اور ایک عملی مثال بن گئی۔ اور اس نے پورے نبوی سماج میں عدل وانصاف سماجی کے وسیع تر معانی وجہات سمجھا دے۔[1]

یہودی افراد وطبقات خیبر وغیرہ کے باب میں رسول اکرم ﷺ نے متعدد دوسرے سماجی عدل گستری کے علائم قائم فرمائے جیسے:

- ❖ ایک مسلم صحابی کی چند نامعلوم افراد کے ہاتھوں شہادت کا واقعہ قسامہ کا اصول عدالت بن گیا۔ یہودی، براءت کا اظہار کرتے اور مقتول کے وارث شہادت و گواہی پیش کرنے سے قاصر تھے۔ آپ نے شہید کی دیت بیت المال سے ادا کی اور عرب روایات کے مطابق کی۔[2]
- ❖ فتح خیبر کے بعد ایک یہودیہ زینب نامی کی دعوت طعام قبول کرلی۔ اس ظالمہ جہاں نے زہر آلود گوشت کھلانے کے ذریعہ سرکار دو جہاں کا کام تمام کرنا چاہا۔ وحی حدیث جبریلی نے آپ کو سازش سے باخبر کیا اور آپ نے ہاتھ روک لیا لیکن آپ کے ایک صحابی سخت بھوک کی وجہ سے لقمہ نگل گئے اور جاں بحق ہوئے۔ تفتیش نبوی پر مجرمہ نے اقرار جرم کیا مگر وجہ جرم یہ بتائی کہ وہ آپ کی نبوت کی صداقت کا تجربہ کرنا چاہتی تھی: اگر آپ صادق ہیں تو واقف ہو جائیں گے اور کاذب کا انجام تو موت ہونا ہی چاہیے۔ آپ نے عام روایات کے مطابق اسے سزا نہ دی۔[3]

۱- ابن اسحاق، ج ۳، ص ۲۱۵ بالخصوص ۲۲۶: حضرت عبداللہ بن رواحہ خزرجی رضی اللہ عنہ کے جانشین عامل حضرت جبار بن صخر بن امیہ سلمی وغیرہ تھے۔

۲- ابن اسحاق / ابن ہشام، ج ۳، ص ۲۲۷-۲۲۶: ایک عامل صدقات حضرت عبداللہ بن سہیل رضی اللہ عنہ مقتول ہوئے تھے۔ ان کے برادر اصغر عبدالرحمن بن سہیل رضی اللہ عنہ ولی الدم ہوئے اور عدالت نبوی میں مقدمہ کی پیروی حضرات حویصہ ومحیصہ فرزندان مسعود رضی اللہ عنہ نے کی۔ رسول اکرم ﷺ نے اپنی طرف سے سو اونٹ کی دیت ادا کی۔

۳- ایضاً، ج ۳، ص ۲۱۲-۲۱۵۔

❖ یہودِ مدینہ کے ساتھ آپ کا طریق معدلت بھی آدرش اور انسانیت کے لیے قابل تقلید ہے: جنگ جو قبائل بنی قینقاع، بنی النضیر اور بنی قریظہ کے صلح پسندوں اور بے گناہوں کو معاف فرمادیا۔ ان میں سے متعدد کو ان کے اموال لوٹا دیے۔ تحقیق جدید کے مطابق بنو قریظہ کے صرف مجرم سرداروں کو غداری کی سزادی اور عام آبادی کو معاف کرکے ان کو جلاوطنی سے معاف کر دیا۔ متعدد اخلاقی اور سماجی جرموں میں ان کے بعض مجرموں کو آیات واحکام تورات کے مطابق سزادی کہ وہ عدل کا تقاضا تھا۔ اسی کے ساتھ دیت وقصاص کے معاملہ میں یہودی انحراف شریف ورذیل، عزیز وفروتر کو ختم کرکے تمام قبیلوں کو یکساں سطح پر رکھا اور ان کو سماجی عادلانہ مساوات دی۔ جلاوطن ہونے والے قبیلوں اور طبقوں کو اسلحہ کے سوا سارا سامان لے جانے دیا اور یہاں تک صحابہ کرام سے ان کے قرض کی رقوم ادا کروائیں، صرف سود کی ادائیگی ممنوع قرار دی کہ وہ یہودی دین وشریعت میں بھی حرام ہے اور عیسائی دین وشریعت میں بھی۔ اس لیے عیسائی طبقات نجران وغیرہ کو ایک / متعدد تحریری معاہدوں کے ذریعہ سودی کاروبار کرنے سے روک دیا تھا۔ سودی نظام سماجی ظلم ہے اوراس سے نجات دلانا معاشرتی عدل وانصاف ہے اور اس باب میں آپ نے تمام ساکنان ریاست اسلامی کو مساوی، منصفانہ اور محسنانہ عدل سماجی سے سرفراز کیا تھا۔ (۱)

❖ تجزیاتی میزان عدل میں: عدل نبوی ہو یا انصاف صحابہ، سماجی عدل وقسط کا ایک بلند ترین آدرش ملتا ہے جو اپنے بیگانے، عزیز وبعید، مسلم وغیر مسلم، ملکی وآفاقی غرض کہ سب کے لیے ہے اور جس میں کسی قسم کی ترجیح، جانبداری اور کجی نہیں ہے۔ عہد نبوی میں سماجی انصاف وعدل کا تصور وعمل دراصل عدل الٰہی سے نکلتا ہے اس اصولی اور نظریاتی اور مابعد الطبیاتی کائناتی عدل وانصاف کو رسول اکرم ﷺ نے اپنی شخصی حیثیت میں بعثت سے قبل اور رسول آخر الزماں ﷺ کی حیثیت سے بعد نبوت برت کر اور نافذ کرکے دکھادیا۔ سماجی عدل وانصاف کا سب سے عظیم ومشکل مرحلہ اس وقت آیا جب سید المرسلین ﷺ امام امت وریاست بنے اور اس آخری اور بلند ترین حیثیت سے قیام عدل اور نفاذ انصاف کا سیاسی، آفاقی، انتظامی وریاستی نظام پیش فرمایا اور ان سب کو اسوہ کاملہ بنادیا۔ سید المرسلین اور خاتم النبیین ﷺ کی

۱۔ غزوات بنی قینقاع وبنی قریظہ کے بیانات وروایات مصادر سیرت وحدیث میں ملاحظہ ہوں۔

حیثیت سے تمام انبیائے کرام، صالحین امم وطبقات کے سماجی عدل اور انصاف کا جامع نظام قائم وجاری ساری کر کے دکھادیا۔ امام العادلین ﷺ کے سماجی عدل وانصاف میں روحانی اور مادی جہات بشری میں توازن واعتدال پیدا کیا جو عدل وقسط کا صحیح سرمایہ اور لب لباب ہے۔ حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی میں توازن واعتدال اور ایک دوسرے کی نفی واثبات میں انسانی عجلت پسندی اور فطری تخلیق کی جلد بازی کو عادلانہ لگام لگائی۔ عام انسانی قوانین عدل وانصاف میں صرف مادی اور قانونی جہات کو مد نظر رکھنا کافی ہی نہیں بڑا خسروانہ سمجھا جاتا ہے اور روحانی واندرونی تقاضوں کا لحاظ نہیں کیا جاتا۔ عہد نبوی کے عدل سماجی میں ان دونوں میں مثالی اعتدال پیدا کیا۔ اعتدال بھی تو عدل سے ہی ماخوذ ومستنبط ہے جس میں کوشش وسعی سے عدل پیدا کیا جاتا ہے۔ سید المرسلین ﷺ اور خاتم النبیین ﷺ کا نفاذ وقیام عدل وانصاف تا قیامت باقی رہنا تھا لہٰذا صرف امام العادلین کی شخصی ومنصبی عدل گستری کافی نہ تھی۔ امت وصحابہ کرام کی اس باب میں بھی تربیت ضروری تھی لہٰذا آپ کی عدالت گستری نے امت مرحومہ کو عدل وانصاف کا خوگر بنایا اور صحابہ کرام کو عدالت نبوی سے متصف کیا۔ وہ خیر امت کے آدرش طبقہ کی حیثیت سے اسلامی نبوی عدل گستری کے اپنے زمانے میں پیکر بنے اور سماجی انصاف کرتے رہے اور ان کے خلف الرشید طبقات وافراد امت اسی کے پیرو اور اس پر عامل ہیں اور جو کسی طرح کے بھی انحراف کے مجرم ہیں وہ خیر امت کے حصے نہیں ہیں۔ رسول اکرم ﷺ اور عہد نبوی کا سماجی عدل وانصاف دراصل اپنی تمام ابعاد وجہات اور اطراف ومقاصد میں احسانی عدلِ معاشرتی ہے۔